ربیع الثانی۔ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ

جنوری۔ مارچ ۲۰۱۶ء

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(بارہواں ایڈیشن) ——— صفحات:360، قیمت475روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(دسواں ایڈیشن) ——— صفحات321، قیمت425روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
(ساتواں ایڈیشن) ——— صفحات331، قیمت425روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات394، قیمت485روپے

حصہ پنجم سُورۃ مَریَم تا سُورۃ السّجدۃ
(پانچواں ایڈیشن) ——— صفحات480، قیمت575روپے

حصہ ششم سُورۃ الاحزاب تا سُورۃ الحجرات
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات484، قیمت590روپے

حصہ ہفتم سُورۃ قٓ تا سُورۃ النّاس
(دوسرا ایڈیشن) ——— صفحات560، قیمت650روپے

یکے از مطبوعات: انجمن خُدّام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور

شائع کردہ: مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ: ۲۶۹)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۳۵ شمارہ ۱

ربیع الثّانی۔ جُمادی الأخریٰ ۱۴۳۷ھ جنوری۔ مارچ ۲۰۱۶ء

بیاد:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ ۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مُدیر: حافظ عاطف وحید

نائب مُدیر:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر۔ مؤمن محمود
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-35869501

ویب سائٹ : www.tanzeem.org

ای میل: publications@tanzeem.org

سالانہ زرِتعاون: 240 روپے، فی شمارہ: 60 روپے

اِس شمارے میں

حرفِ اوّل		
مرکزی انجمن کے سالانہ اجلاس سے خطاب	ڈاکٹر ابصار احمد	3
تذکّر و تدبّر		
مَلاكُ التأويل (۴)	ابوجعفر احمد بن ابراہیم الغرناطی	6
فہمُ القرآن		
ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	افادات حافظ احمد یارؒ	19
حکمتِ نبویؐ		
پُرخلوص عمل کی عظمت اور تاثیر	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	36
حقیقتِ دین		
اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانونِ امہال	پروفیسر توقیر عالم فلاحی	39
حکمت و فلسفہ		
حکمت: یونانی وایمانی	محمد رشید ارشد	44
فکر و نظر		
وجودِ باری تعالیٰ: نظریہ ہائے علم الکلام کی روشنی میں (۲)	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	51
خطوط و نکات		
''آیا یہ قول حضرت یوسفؑ کا ہے یا عزیز مصر کی بیوی کا؟''	ادارہ	83
کتاب نما		
تعارف وتبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	85

بیانُ القرآن

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کا 43واں سالانہ اجلاس عام

خطاب صدر انجمن:

بعد حمد وثنا اور تعوذ وتسمیہ.....فرمایا: حضرات! ہم اس وقت مرکزی انجمن خدام القرآن کے 43ویں سالانہ اجلاس میں شریک ہیں۔ یہ وابستگان انجمن کا جنرل باڈی اجلاس ہی نہیں بلکہ رجسٹرڈ ایسوسی ایشن کی حیثیت میں اس کی قانونی ضرورت بھی ہے۔ میں آپ سب حضرات کا ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ہماری دعوت پر لبیک کہا اور اس میں شریک ہوئے۔ میں یہاں انجمن کے ناظمِ اعلیٰ ڈاکٹر عارف رشید صاحب کا شکریہ ادا کروں گا کہ انہوں نے ٹیلیفون اور موبائل پر زبانی اور تحریری پیغامات کے ذریعے بالخصوص سینئر ساتھیوں کو بار بار یاددہانی کرائی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج کے اجلاس میں حاضری کا تناسب نسبتاً بہتر ہے۔

آپ کے علم میں ہے کہ انجمن کا آغاز صدرِ مؤسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روشن کی ہوئی درس قرآن کی شمعوں سے ہوئی۔ لاہور کی مختلف آبادیوں کی مساجد شاہد ہیں کہ ان دروسِ قرآن کی محافل میں سینکڑوں لوگ ذوق وشوق اور باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ ان دروس میں ڈاکٹر صاحب نے اپنا دینی تحریکی فکر شرح وبسط سے پیش کیا اور اپنی مساعی کو آرگنائز کرنے کے لیے 1972ء میں انجمن کی تاسیس کی۔ چنانچہ انجمن' اسلام کے احیائی عمل میں دعوتی، تعلیمی اور اعلیٰ علمی سطح پر مصروف عمل ہے جبکہ ڈیڑھ دو سال بعد شروع کی گئی تنظیم اسلامی بیعت سمع وطاعت کے ساتھ تحریک کی سطح پر کام کر رہی ہے۔

آپ سب حضرات بخوبی واقف ہیں کہ مؤسس انجمن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فکر کی ابتداء تحریک جماعت اسلامی کے لٹریچر سے کی تھی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کو وہ اپنا مربی اور محسن سمجھتے تھے۔ دین کا حرکی تصور آپ نے مودودی صاحب کی تصانیف سے لے کر اسے مزید نکھارا اور ایمانیات کے مباحث' توحید علمی کے تقاضوں اور قرآن وسنت نبوی کی حاکمیت کے تصورات کو واضح کیا جو انحطاط یا انحراف کی نذر ہو گئے تھے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ برصغیر کی جماعت اسلامی کی طرح مصر میں شروع ہونے والی اخوان المسلمون بھی ہمہ گیر اسلامی انقلاب کی داعی ہے اور آغاز میں مولانا مودودی مرحوم کی تصانیف نے اخوانی لیڈرشپ اور کارکنوں کو بھی متاثر کیا۔ لیکن میرے خیال میں جلد ہی اخوان المسلمون کے بعض سرکردہ فضلاء نے بہت وقیع اسلامی لٹریچر produce کیا۔ جن میں قطب برادران یعنی سید قطب اور محمد قطب نمایاں ترین ہیں۔ سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' اور تحریکی کتاب ''معالم فی الطریق'' بہت مشہور ہیں۔ چھوٹے بھائی محمد قطب نے بلادِ عرب کی جامعات میں طویل عرصے تدریسی فرائض اور علمی تصنیفی کام کے ذریعے دین کے بنیادی تصورات (بالفاظِ دیگر 'عقائد') کی بہت گہرائی اور بصیرت کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ ان کی ایک عربی تالیف کا شاندار اردو استفادہ مدیر 'ایقاظ' جناب حامد کمال

الدین نے ''چند تصحیح طلب مفہومات'' کے عنوان سے کیا ہے۔ مؤلف نے لا الٰہ اِلا اللہ' عبادت' قضا وقدر' تعمیر ارض اور دنیا وآخرت کے ضمن میں قرآن وسنت پر مبنی عقائد کو مرجئہ جدید اور لبرل خیالات کے نقد کے تناظر میں واضح کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عصری ارجائی فکر نے موہوم افکار (wishful thinking) پر تکیہ کرتے ہوئے لوگوں کو بغیر اسلام کے مسلمان ہونے اور صرف کلمہ گو ہونے کی بنیاد پر اخروی کامیابی کا سبق دیا ہے۔ جبکہ انجمن کے صدرِ مؤسس نے قرآن کریم' حدیث نبوی' آثارِ صحابہ اور سلف صالحین کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے دینی فرائض کا جامع تصور واضح کیا۔ اسی طرح ''راہِ نجات سورۃ العصر کی روشنی میں'' نجات کے چار لوازم کو شرح وبسط سے بیان کیا۔ ڈاکٹر صاحب کا کتابچہ ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' بھی اس ضمن میں مسلمانوں کو دین کے حوالے سے فاعلیت پر ابھار کر قرآن کے جملہ تقاضے پورا کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ کل ہی پریس سے مولانا شیخ رحیم الدین صاحب کی تالیفی کاوش بعنوان ''ملفوظات ڈاکٹر اسرار احمدؒ'' چھپ کر آئی ہے۔ جناب رحیم الدین صاحب نے صدر مؤسس کی جملہ تصنیفات اور شائع شدہ تقاریر سے چیدہ چیدہ پیراگراف کا بہت خوبصورت انتخاب کیا ہے۔ میں تمام شرکاء محفل سے درخواست کروں گا کہ وہ یہ کتاب حاصل کریں اور گاہے گاہے مطالعے میں رکھیں۔

سطور بالا میں محمد قطبؒ کی تالیف کا ذکر اور تعارف اس لیے کروایا گیا ہے تاکہ ہمارے بارے میں عام لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم صرف مخصوص لٹریچر ہی پڑھتے ہیں اور بند ذہن رکھتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم کھلے ذہن کے ساتھ دوسرے سکالرز کی نگارشات کا مطالعہ بھی کرتے ہیں۔ راقم نے ''ملفوظات'' اور ''چند تصحیح طلب مفہومات'' کے علاوہ نقشبندی مجددی سلسلہ کے شیخ کا جھنگ سے شائع ہونے والا ماہنامہ ''الاکابر'' بھی حاضرین کو دکھایا اور اس کے بعض contents کی تعریف کی اور ساتھ ہی ان حضرات کے perspective کی محدودیت کا بھی ذکر کیا۔ چنانچہ قرآن کے الفاظ ''صالح'' اور ''صالحین'' سے مراد محدود معنوں میں 'مذہبی' یا 'نیک' یا 'روحانی' لینا پوری طرح درست نہیں۔ بلکہ اس کا اصل مفہوم شریعت کی نظر سے کارآمد انسان (ذاتی واجتماعی اور دنیوی واخروی ہر پہلو سے) عین اس وضع پر پایا جانے والا انسان ہے جس کی خاطر اس مخلوق کی تخلیق ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس کی وضاحت احسانِ اسلام اور سلوکِ محمدی کے الفاظ سے کر کے ''روحانیت'' کو بھی انقلابی فعالیت سے ملایا ہے۔

آخر میں انجمن کے مختلف شعبہ جات کی کارکردگی کی تعریف کی گئی اور انجمن کے تمام ملازمین کی تندہی' محنت اور لگن کے ساتھ انجمن کے مقاصد کو آگے بڑھانے کی کاوشوں کو سراہا گیا۔

سال گزشتہ کے آغاز میں اسلام اور ریاست کے حوالے سے جناب جاوید احمد غامدی کا متبادل بیانیہ دینی حلقوں میں بہت تشویش کا باعث بنا۔ چنانچہ قرآن وسنت اور سلف صالحین کے تصور دین جس میں کارپوریٹ زندگی کے تمام شعبے بشمول ریاست وحکومت شامل ہیں' کے اثبات کے لیے متعدد علماء نے اس کا نوٹس لیا اور مدلل انداز میں فکر غامدی کے مغالطے اور گمراہیاں واضح کیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جاوید غامدی اور ان کے تلامذہ اسلام کی تعبیر نو کر کے اسے صرف Broad-brand religious humanism میں تحلیل کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح بالواسطہ مغربی مادیت اور اباہیت پر مبنی کلچر وتہذیب کو قبول کیے ہوئے ہیں۔

'حکمت قرآن' کے پچھلے شمارے میں ڈاکٹر حافظ محمد زبیر کا 'وجود باری تعالیٰ' نظریہ ہائے علم الکلام کی روشنی میں'

شائع کیا گیا تھا۔ اسی سلسلے کی دوسری قسط اس شمارے میں قارئین کا مطالعے میں آ رہی ہے' جس میں انہوں نے متعدد منکرین مذہب سائنسی مفکرین کے افکار کا تجزیہ بہت باریک بینی اور گہرائی میں جا کر کیا ہے۔ اس تحقیقی مضمون کی افادیت خاص طور پر ان نوجوان طالب علموں کے لیے بہت زیادہ ہے جو خاص طور پر رچرڈ ڈاکنس ٹائپ سائنسی دہریوں کے خیالات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر صاحب نے اپنے اس مضمون کو قلمبند کرنے اور اسے مفصل و مبسوط اور مدلل بنانے میں واقعتاً بہت محنت کی ہے۔ اللہ انہیں اس کی جزا دیں۔ آمین! مکمل ہونے پر یہ پراجیکٹ ایسا ہے جس کو اگر انگریزی میں بھی شائع کیا جائے تو مغرب میں بہت سے ایسے مسلمان نوجوان جو اپنے آپ کو اب ex-Muslims فخریہ کہلواتے ہیں' دوبارہ اسلام اور دین توحید کی طرف لوٹ آئیں۔

شمارہ ہٰذا میں جناب محمد رشید ارشد کا مضمون 'حکمت یونانی و ایمانی' بھی بہت وقیع اگرچہ قدرے دقیق ہے۔ ایک اعتبار سے اس کا تعلق ڈاکٹر حافظ زبیر کے قبل ازیں محولہ مضمون سے مل جاتا ہے جس میں وہ نظریہ عرفان کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔ حکمت ایمانی ایمان کی علمی تشکیلات کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اس کی بارہ بنیادی تعریفات میں سے نمبر 7 پر بیان کی گئی تعریف میں میرے خیال میں حکمت یونانی اور حکمت ایمانی قریب آ جاتی ہیں جس کا اثبات ہیگل کے فلسفہ سے بھی ہوتا ہے۔ محمد رشید ارشد صاحب نے اسے اس طرح بیان کیا ہے: ''حکمت کائنات کو ایک ہی تعریف سے define کرنے کا ملکہ ہے۔ یہ ذہن انسانی کی غالباً سب سے بڑی تمنا ہے کہ وہ چیزوں کو ایک ہی definition کے تحت لانے میں کامیاب ہو جائے۔ اس کے نتیجے میں ذہن کا وہ تقدیری خواب پورا ہو سکتا ہے جس کی رو سے وجود اور شعور ایک ہیں۔ حکمتِ ایمانی اس آرزو کو عقیدۂ حق سے پورا کر دکھاتی ہے۔'' ڈاکٹر زبیر اور جناب رشید ارشد دونوں یونیورسٹیوں میں لگن سے تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ توقع ہے کہ طلبہ پر ان کی اعلیٰ علمی تعلیمی قابلیت اور دینی وابستگی کا اچھا اثر پڑے گا۔

ہم سب کو آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ وہ لوگ جو ایمان بالآخرت کی نعمت سے محروم ہیں اب وہ بھی آہستہ آہستہ مابعد الطبیعیات اور موت کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ چند دن پہلے اسی طرح کی ایک رپورٹ دیکھی جس میں کوریا کے لوگ ڈپریشن کا علاج grave therapy کے ذریعے سے کر رہے تھے۔ کوریا میں نوجوانوں میں تعلیم اور ملازمت کے حصول میں مقابلہ اور ناکامی کے سلسلے میں frustration کا علاج کیا جاتا ہے۔ انہیں تابوت میں لٹا کر موت اور طبعی صلاحیتوں کے حوالے سے مواقع کے بارے میں سوچنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے اور اس طرح ان میں خودکشی کے رجحانات کا علاج کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ وہاں پر سیکولر مائنڈ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمیں نعمت ایمان میسر ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت میں کامیابی کو پیش نظر رکھ کر کریں۔ اسلام میں گاہے گاہے قبرستان جانے اور موت کو یاد کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ موت کو یاد رکھنے سے انسان سے درست اعمال صادر ہوتے ہیں۔ حدیثِ نبویؐ ہے: مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا یعنی ''مرنے سے پہلے اپنے اوپر موت کا احساس طاری کرو۔'' ❁❁❁

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

مَلاکُ التأوِیل

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی
تلخیص وترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبدالغفار حسن

سورة البقرة

(۲۳) آیت ۱۲۰:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾﴾

''اور اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کرو گے بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم پہنچ گیا ہے' تو پھر تم اللہ کی طرف سے نہ کوئی دوست پاؤ گے اور نہ کوئی مددگار۔''

اور آیت ۱۴۵ میں ارشاد ہوا:

﴿وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾﴾

''اور اگر تم ان لوگوں کے پاس جن کو کتاب دی گئی' ہر ایک نشانی بھی لے کر آؤ تو وہ تمہارے قبلے کی پیروی نہ کریں گے' اور نہ ہی تم ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہو' اور نہ ہی اُن کے کچھ لوگ دوسرے لوگوں کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اور اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کرو گے' بعد اس کے کہ علم تمہارے پاس آ چکا ہے' تو پھر تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔''

اور سورۃ الرعد کی آیت ۳۷ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِیًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾﴾

''اور اسی طرح ہم نے اسے ایک فرمان عربی کی حیثیت سے نازل کیا ہے۔ اور اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کرو گے بعد اس کے کہ جو علم تمہارے پاس آ چکا ہے' تو تمہارے لیے اللہ کی طرف سے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی کوئی بچانے والا۔''

یہاں سوال کرنے والا سوال کرسکتا ہے کہ اگر چہ ان تینوں آیات کا آغاز ایک جیسا ہے اور معنی بھی مماثلت رکھتا ہے تو پھر ان کے اختتام میں فرق کیوں واقع ہوا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے (واللہ اعلم) کہ سورۃ الرعد کی مذکورہ آیت سے قبل اہلِ کتاب کے کفر اور مخالفت پر اصرار کا ویسا ذکر نہیں ہوا ہے جو کہ سورۃ البقرۃ کی پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

دیکھئے' سورۃ الرعد میں اس آیت سے قبل اہل کتاب کی مدح میں پہلے یہ الفاظ ذکر کیے گئے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ (آیت ۳۶)

''اور جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ خوش ہوتے ہیں اس (وحی) سے جو آپؐ پر اتاری گئی''

اور ان سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے مؤمن ہیں۔ اور پھر کہا:

﴿وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ﴾

''اور پھر گروہوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس کے کچھ حصہ کا انکار کرتے ہیں۔''

گویا ان کا حال بیان تو ہوا لیکن انتہائی اختصار کے ساتھ' اور اسی لیے جب ان کی پیروی سے ڈرایا گیا تو بھی اختصار سے کام لیا گیا اور صرف یہ کہا گیا:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾﴾

دیکھئے یہاں پر ''الَّذِی'' کے مقابلے میں صرف ''مَا'' لایا گیا ہے جس میں اختصار پایا جاتا ہے' اِلا یہ کہ اس کے ساتھ معنی میں وسعت پیدا کرنے کے لیے کچھ اور ذکر کیا گیا ہو' جیسا کہ ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

اور پھر یہاں ''وَلَا نَصِيْرٍ'' کے مقابلے میں صرف ''وَلَا وَاقٍ'' کہا گیا' جو لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے اختصار رکھتا ہے (یعنی لفظی اعتبار سے ''نَصِیر'' چار حرفی اور ''وَاقٍ'' تین حرفی لفظ ہے اور معنی کے اعتبار سے نَصِیر بمعنی مددگار' وَاقٍ بمعنی بچانے والے سے زیادہ وسعت رکھتا ہے) اور اسی لحاظ سے ہر آیت اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے ٹھیک جگہ پر آئی ہے۔

سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت ۱۲۰ سے قبل اہل کتاب کی قبیح حرکات کا تفصیلی ذکر ہے' پہلے فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾

''اور جو لوگ علم نہیں رکھتے' کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے ہم کلام کیوں نہیں ہوتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔ ان کے دل آپس میں ایک جیسے ہیں۔ ہم نے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں بیان کر دی ہیں۔''

اس کے بعد اہلِ کتاب کے دونوں گروہوں کی حقیقت حال کو بیان کیا کہ وہ ایمان سے کیسے دور بھاگتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ﴾

''اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی نہ کر لیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔''

اور پھر اس مفصل بیان کے بعد فرمایا:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾﴾

''اور اگر آپ نے علم کے آ جانے کے باوجود بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے ہاں نہ آپ کے لیے کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار۔''

یہاں تفصیلی بیان کے بعد اس آیت میں بھی تفصیل اختیار کی گئی ہے۔ سورۃ الرعد میں اختصار تھا تو لفظ ''مَا'' (دو حرفی لفظ) کہہ کر اختصار سے کام لیا گیا بمقابلہ آیت سورۃ البقرۃ کے جس میں لفظ ''الَّذی'' (پنج حرفی لفظ) لایا گیا کہ وہاں طوالت مقصود تھی' یہاں آخر میں ''نَصِیْرٍ'' ہے اور سورۃ الرعد میں ''وَاقٍ'' ہے۔ ''نَصِیْر''، فعیل کے وزن پر ہونے کی وجہ سے اپنے مفہوم میں وسعت رکھتا ہے کہ یہ مبالغے کا صیغہ ہے جس میں کثرت پائی جاتی ہے بمقابلہ ''فاعل'' کے صیغے کے۔ ''وَاقٍ'' فاعل کا صیغہ ہے جس میں یہ وسعت نہیں پائی جاتی۔

اس طرح دونوں آیات کا اختتام اپنی اپنی جگہ انتہائی مناسب پایا گیا' جہاں تفصیل تھی وہاں کلام میں طوالت پائی گئی اور جہاں اختصار تھا وہاں ایجاز سے کام لیا گیا۔

اب آیئے سورۃ البقرۃ کی دوسری آیت (آیت نمبر ۱۴۵) کی طرف۔ یہاں اس سے قبل اہل کتاب کی چند مزید غلطیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے' اس لیے اس آیت میں بھی وہ الفاظ لائے گئے جس میں ایجاز نہیں بلکہ طوالت ہے۔ یہاں پہلے ''مِنْ'' کا ذکر ہے جو غایت کے لیے یا ابتداءِ غایت کے لیے ہے (تمہارے پاس علم کے آ جانے کے بعد اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی)۔ پھر ''مَا'' کا لفظ لایا گیا جو ''الَّذی'' کی جگہ لے رہا ہے اور خیال رہے کہ ''مَا'' جب ''مِن'' کے بعد آئے تو سیاق وسباق کا تقاضا ہے کہ اسے موصول مانا جائے (بمعنی الَّذِی) یا موصوف مانا جائے' دونوں صورتوں میں وہ پورے مضمون کا احاطہ کرتا نظر آتا ہے۔ اور اس کے بعد فرمایا: ﴿اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾﴾ (تب آپ یقیناً ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔)

اس اسلوبِ بیان میں دوست' مددگار اور بچانے والے یعنی تینوں الفاظ سے زیادہ زور ہے' یعنی ظالم ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کا نہ کوئی دوست ہو اور نہ ہی مددگار۔ جیسے اس کی وضاحت ''سورۃ الشوریٰ'' میں آ گئی۔ فرمایا: ﴿وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۸﴾﴾ ''اور ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار''۔ یعنی ظلم کے وصف کے ساتھ دوست اور مددگار ہونے کی نفی بھی ہوگئی' جبکہ اگر صرف دوست یا مددگار کی نفی ہو تو اس سے خاص طور پر ظلم کی نفی لازم نہیں ہوتی' اور اس طرح یہ آیت دوسری دونوں آیات کے مقابلے میں زیادہ وزن رکھتی ہے اور اسی وجہ سے اس سے پہلے تفصیل سے اہلِ کتاب کے جرائم کا ذکر ہوا۔ یہاں یہ زوردار الفاظ اس لیے بھی استعمال ہوئے کہ اس سے قبل اللہ کے رسول ﷺ کی یہ شان بیان ہو رہی تھی کہ وہ کسی صورت ان کی پیروی کرنے والے نہ ہوں گے (وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ)

اس تفصیل سے تینوں آیات کے محل اور موقع کا بیان ہو گیا۔

اور اگر یہ مان لیا جائے کہ سورۃ الرعد کی آیت مکی ہے تو پھر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جوں جوں آپ کا علم

بڑھتا گیا' کلام میں شدت آتی گئی۔

سورۃ الرعد ابتدائی حالت سے متعلق تھی تو وہاں ایجاز سے کام لیا گیا۔سورۃ البقرۃ کی پہلی آیت (نمبر ۱۱۸) مزید علم آ جانے کی بنا پر طوالتِ کلام کا باعث ہوئی۔اور پھر دوسری آیت (نمبر ۱۴۵) کے نازل ہونے تک مزید علم آ چکا تھا تو اس میں زورِ بیان اور زیادہ ہو گیا۔

بہرحال ہم نے اپنی سی حد تک دونوں توجیہات پیش کر دی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مراد کو بخوبی جانتے ہیں۔

(۲۴) آیت ۱۲۵:

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾﴾

''اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔''

سورۃ الحج کی آیت ۲۶ میں ارشاد ہوا:

﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِىْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾﴾

''اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ مقرر کر دی اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف' قیام اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا۔''

یہاں سوال کرنے والا یہ سوال کر سکتا ہے کہ سورۃ البقرۃ میں ''وَالْعٰكِفِيْنَ'' (اعتکاف کرنے والوں) کا اور سورۃ الحج میں ''وَالْقَآئِمِيْنَ'' (قیام کرنے والوں) کا ذکر کیا' حالانکہ دونوں جگہ بیت اللہ کو پاک صاف رکھنے کا حکم ایک ہی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے (واللہ اعلم) کہ ''قائمین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایک خاص ہیئت میں کہیں اقامت اختیار کرتے ہیں اور پھر اسی حالت پر جمے رہتے ہیں اور اس معنی میں قائمین اور عاکفین کا ایک ہی مطلب ہو جاتا ہے' گو الْعَاكِفِيْن میں اسی خصوصی حالت کا واضح طور پر تذکرہ ہے۔چونکہ سورۃ الحج سے پہلے سورۃ البقرۃ میں ''العاکفین'' آ چکا تھا اس لیے سورۃ الحج میں القائمین کہہ کر اعتکاف کی طرف بھی اشارہ ہو گیا' اور تکرار سے بچا گیا' کیونکہ عربی اسلوب کے مطابق تکرار وہاں کی جاتی ہے جہاں یا تو کسی چیز کی بڑائی یا اس کی ہولناکی مقصود ہو' جیسے: الحاقة' ما الحاقّة (واقع ہونے والی! اور واقع ہونے والی کیا ہے!) اور اس جیسی دوسری آیات۔

چونکہ سورۃ البقرۃ کی آیت میں نہ پہلے اور نہ بعد ''اعتکاف'' کا ذکر تھا تو اس کا خاص طور پر ذکر کرنا بہتر تھا اور سورۃ الحج میں جب ''القائمین'' کہا گیا تو گویا سورۃ البقرۃ کی آیت کی طرف اشارہ ہو گیا کہ اس سے مراد ''اعتکاف کرنے والے'' ہیں۔سورۃ البقرۃ میں ''قائمین'' کے ذکر کی ضرورت نہ تھی کہ ''عاکفین'' سے مراد وہی لوگ ہیں جو کسی خاص ہیئت پر اقامت اختیار کرتے ہوں۔اور یوں دونوں آیتیں اپنی اپنی جگہ پر پوری مناسبت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔

اور ''اَلرُّكَّعِ السُّجُوْدِ'' سے مراد ہے نماز پڑھنے والے۔یعنی اعتکاف کرنے والوں اور نماز ادا کرنے

والوں‘ سب کا ذکر آ گیا۔

جو لوگ ’’قائمون‘‘ سے بھی نمازی مراد لیتے ہیں تو اس کی توجیہہ یہ ہوگی کہ سورۃ البقرۃ میں چونکہ اعتکاف کرنے والوں کا خصوصی ذکر ہو گیا تھا تو یہاں نماز کی تینوں ہیئتوں (قیام‘ رکوع‘ سجود) کی طرف اشارہ کر کے نماز کی اہمیت کی طرف اشارہ ہو گیا۔ واللہ اعلم!

(۲۵) آیت ۱۲۶:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾

’’اور جب ابراہیم نے کہا: اے ربّ! اسے ایک پُرامن شہر بنا دے۔‘‘

اور سورۃ ابراہیم کی آیت ۳۵ میں ’’البلد‘‘ کو معرفہ ذکر کیا۔ فرمایا:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾

’’اے رب! اس شہر کو ایک پرامن شہر بنا دے۔‘‘

سوال یہ ہے کہ یہ اختلاف کیوں ہے‘ ایک جگہ ’’بلد‘‘ نکرہ ہے اور دوسری جگہ ’’البلد‘‘ معرفہ ہے؟ جواباً عرض ہے‘ اور اللہ بہتر جانتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ کی آیت سے پہلے دو جگہ بیت اللہ کا ذکر ہے‘ فرمایا:

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ﴾ (آیت ۱۲۵)

’’اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکز اجتماع اور پُرامن بنایا۔‘‘

پھر فرمایا:

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ ..... ﴾

’’اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ وہ میرے گھر کو پاک صاف رکھیں.....‘‘

اور اس سے قبل ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچے کو اس غیر آباد جگہ لا کر یہ دعا کر چکے تھے:

﴿رَبَّنَآ اِنِّىْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ (ابراھیم:۳۷)

’’اے میرے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک ایک بے کھیتی کی وادی میں لا بسائی ہے۔‘‘

اور اس طرح ’’بیت‘‘ کا بحیثیت معرفہ ذکر کرنے میں بلد حرام کا بھی بحیثیت معرفہ ذکر ہو گیا‘ اس لیے ’’هٰذَا‘‘ کے ساتھ مشارٌ اِلیہ لانے کی ضرورت نہ رہی‘ بلکہ بیت اللہ کے ذکر کے بعد صرف اس جگہ کی طرف ’’هٰذَا‘‘ کہہ کر اشارہ کر دیا اور اس کے بعد ’’بلدًا‘‘ کو بحیثیت مفعول ثانی لائے اور ’’آمِنًا‘‘ اس کی صفت ٹھہری۔

’’هٰذَا‘‘ یہاں مفعول اول کے مقام پر ہے کہ یہاں بیت اللہ کے ذکر کی بنا پر صرف اشارہ ہی کافی تھا اور اگر ’’بلد‘‘ کو الف لام کے ساتھ معرفہ بھی لایا جاتا تو اس سے کوئی زائد معنی حاصل نہ ہوتا بلکہ تکرار کی شکل ہو جاتی‘ اس لیے کلام میں ایجاز رکھا گیا‘ لیکن اس ایجاز میں جو بلاغت ہے وہ اہلِ نظر پر مخفی نہیں ہے۔

سورۂ ابراہیم کی آیت سے قبل ایسے کوئی اشارات نہیں ہیں جو سورۃ البقرۃ میں تھے۔ اس لیے عربی اسلوب کے مطابق مشار اِلیہ کو الف لام کے ساتھ لانا (اور خاص طور پر جب وہ اسم جامد ہو) ضروری تھا۔ یہاں هٰذَا

الْبَلَدَ مفعول اوّل اور ''آمِنًا'' مفعول ثانی قرار پائے گا۔

ایک دوسری توجیہہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چونکہ ابھی بَلَد (شہر) آباد نہیں ہوا تھا' اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے اس جگہ کی طرف ''ھٰذَا'' کہہ کر اشارہ کیا۔ یعنی یوں کہا: اے اللہ! اس جگہ کو ایک پُرامن شہر میں بدل دے! اور سورۂ ابراہیم میں ''البلد'' کہا گیا چونکہ شہر آباد ہو چکا تھا۔ گویا یہ کہا: ''اے اللہ! اس آباد شہر کو امن کا گہوارہ بنادے!''

(۲۶) آیت ۱۲۹:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ﴾

''اے ہمارے رب! ان کی طرف ان میں سے ایک رسول کو بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔''

سورۂ آل عمران' آیت ۱۶۴ میں ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ﴾

''اور اللہ نے مؤمنوں پر احسان کیا کہ ان میں' انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے' اور ان کا تزکیہ کرتا ہے' اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

اور سورۃ الجمعہ کی دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ﴾

''وہی ہے جس نے امیین میں' انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے' اور ان کا تزکیہ کرتا ہے' اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

یہاں پہلی آیت میں ''يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' پہلے آیا ہے اور پھر ''يُزَكِّيْهِمْ'' اور باقی دونوں آیات میں اس کے برعکس ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ جواباً عرض ہے' واللہ اعلم' کہ پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس وقت کی دعا کا ذکر ہے جب کہ وہ امت ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی جن میں رسول بھیجے جانے کی دعا کی جارہی ہے۔ ان کا تزکیہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جبکہ پہلے انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دی جائے اور ان پر آیات کی تلاوت ہو' کیونکہ گمراہی سے بچنے اور تزکیہ کے حصول کے لیے تعلیم وتربیت کا پہلے ہونا ضروری ہے۔

دیکھئے تزکیہ کو نیک اعمال کے ساتھ مرتبط کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (التوبۃ:۱۰۳)

''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعہ آپ ان کی تطہیر کریں اور انہیں پاک صاف کریں۔''

صاف ظاہر ہے کہ اس نیک عمل (یعنی صدقہ دینے) کے نتیجہ میں ان کا تزکیہ ہوگا۔ اس لیے تزکیہ کا ذکر اس سبب کے بعد کیا گیا جس کی وجہ سے تزکیہ حاصل ہو رہا ہے۔ گویا یہاں ترتیب یوں ہے کہ پہلے مسبب کا بیان ہوا اور اس کے بعد سبب کا۔

جہاں تک باقی دو آیات کا تعلق ہے تو وہاں یہ احسان جتلانا مقصود ہے کہ گمراہی کے بعد انہیں ہدایت سے نوازا گیا اور ابراہیم علیہ السلام کی دعا پوری ہونے کا احساس دلایا گیا۔ اس لیے کتاب وحکمت' جن کی وجہ سے گمراہی زائل ہوئی اور ہدایت نصیب ہوئی' ان کا ذکر مؤخر کیا گیا۔ اور چونکہ یہاں احسان جتلانا مقصود ہے اس لیے پہلے ان کے تزکیہ (پاک وصاف ہونے) کا ذکر کیا' یعنی یہ لوگ گمراہ تھے' اللہ نے انہیں اپنے نبی کے ذریعہ وہ کچھ سکھلایا کہ جس سے ان کی گمراہی دور ہوگئی۔

یہاں مُسبَّب (نتیجے) کا ذکر پہلے کیا گیا اور سبب (تعلیم کتاب وحکمت) کا ذکر بعد میں کیا گیا۔ یعنی تقدیم و تاخیر' دونوں طرح کی آیات میں' جو قصد تھا' اس کے اعتبار سے کیا گیا۔ واللہ اعلم!

(۲۷) آیت ۱۳۴:

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾﴾

''یہ امت گزر چکی' اور اس کے لیے وہ کچھ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے ہے جو کچھ تم نے کمایا' اور تم سے یہ سوال نہ ہوگا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے۔''

اور پھر آیت ۱۴۱' اسی آیت کا اعادہ ہے تو اس تکرار کا مقصد کیا ہے؟ اس کی وجہ ہو سکتی ہے' واللہ اعلم' کہ لوگوں نے جب ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام' ان کے پیروکاروں اور ان میں آنے والے انبیاء کی بزرگی اور نیکی کو دیکھا تو یہ سمجھا کہ ان سے نسبت حاصل ہونے کی بنا پر انہیں بھی نفع حاصل ہوگا تو انہیں یاد دلایا گیا کہ تمہیں صرف تمہارے اپنے اعمال نفع پہنچائیں گے' اور اپنے اسلاف کے اچھے اعمال کی پیروی کیے بغیر ان سے صرف نسبت رکھنا فائدہ مند نہ ہوگا۔ اس لیے فرمایا:

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ .....﴾ (الآیۃ)

اور پھر انہیں یاد دلایا گیا کہ وہ اپنے اسلاف کے بارے میں کیا کیا اعتقاد رکھتے تھے۔ پھر یہ بھی یاد دلایا گیا کہ تم ان کے بارے میں یہ یہ غلط اعتقاد بھی رکھتے تھے اور کہا گیا کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور یہ بھی کہ سچی شہادت کو چھپانا کتنا بڑا ظلم ہے' اور اس کے بعد یہ آیت لائی گئی:

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ .....﴾ (الآیۃ)

گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ جو جو جرائم (کتمانِ حق اور کتمانِ شہادت) تم نے کیے ہیں' تم ان کے بارے میں جوابدہ ہوگے' کسی دوسرے پر اس کا وبال نہ ہوگا۔

دونوں آیتوں میں اپنے اسلاف کی طرف نسبت رکھنے کا خیال مشترک ہے لیکن مقصود مختلف ہے۔ یعنی پہلی دفعہ ان کے نیک اعمال سے انہیں نفع حاصل کرنے کی نفی کی گئی ہے اور دوسری مرتبہ انہیں اپنے جرائم کی جوابدہی

کرنے کا احساس دلایا گیا ہے۔ مزید وضاحت آگے بھی آئے گی۔

(۲۸) آیت ۱۳۶:

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ﴾

''کہہ دو! کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اتارا گیا ہے ہم پر اور ابراہیم' اسمٰعیل' اسحٰق' یعقوب اور ان کی اولاد پر' اور جو کچھ دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو کچھ انبیاء کو دیا گیا ان کے رب کی طرف سے۔''

اور سورۂ آل عمران کی آیت ۸۴ میں یہ آیت اس طرح نازل ہوئی:

﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠﴾

یہاں تین سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) پہلی آیت میں ''قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ'' اور دوسری آیت میں ''قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ''۔

(۲) پہلی آیت میں ''وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا'' اور دوبارہ ''اِلٰى'' کا صلہ استعمال ہوا' اور دوسری آیت میں ''وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا'' اور دوبارہ ''عَلٰى'' کا صلہ استعمال ہوا۔

(۳) پہلی آیت میں ''وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ'' کہا گیا' جبکہ دوسری آیت میں صرف ''وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ'' کہا گیا۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں خطاب پوری جماعت کو ہے' اس لیے جمع کے صیغہ کے ساتھ خطاب ہوا' اور دوسری آیت میں صرف اللہ کے رسول ﷺ سے خطاب ہے' اس لیے بصیغۂ مفرد خطاب ہوا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہاں خطاب اللہ کے رسول اور تمام اہلِ ایمان کو مجموعی طور پر کیا گیا ہے۔ اہل ایمان اس خطاب میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک ہیں' جیسے سورۃ البقرۃ کے آخر میں بھی اسی طرح کا اجتماعی خطاب ہے۔ فرمایا:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ﴾ (آیت ۲۸۵)

''رسول اس چیز پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اُس پر اتاری گئی ہے اور اہل ایمان بھی۔''

پھر کہا: ﴿وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ ''اور انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور اطاعت کی'' اور چونکہ حکم سب کو تھا تو گویا جو کچھ وحی کے ذریعہ اتارا گیا' وہ سب پر اتارا گیا تھا۔ حقیقی طور پر تو وحی صرف نبی ﷺ پر اتاری گئی تھی لیکن اس وحی کے تمام اہلِ ایمان تک پہنچنے کے تعلق سے وہ سب پر مجازاً اتاری گئی۔ اب چونکہ یہاں ''قُوْلُوْا'' کہہ کر سب کو حکم دیا گیا تھا اس لیے ''اِلَيْنَا'' کہنا زیادہ مناسب تھا۔

سورۃ العنکبوت (آیت ۴۶) میں جہاں خطاب سب سے تھا تو یہی ''اِلٰى'' کا صیغہ استعمال ہوا۔ فرمایا:

﴿وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾

''اور کہہ دو! ہم ایمان لائے اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور جو تم پر اتارا گیا۔''

اس کے مقابلہ میں سورۂ آل عمران کی آیت میں خطاب صرف نبی ﷺ سے ہے' کہا گیا: ''قُلْ'' اور اس کی مناسبت سے ''عَلٰی'' کا صیغہ استعمال ہوا۔ اس لیے کہ اصلاً تو نبی ﷺ پر ہی قرآن کا نزول ہوا۔ اس لیے ''عَلٰی'' کا صیغہ اصالتاً نبیؐ کے لیے ہے اور مجازاً مؤمنوں کے لیے ہے۔

اضافہ از مترجم

صاحبِ ملاک التأویل کے کلام میں ابہام پایا جاتا ہے' لیکن اس مبحث کو ہمارے کویت کے دوست شیخ عدنان عبدالقادر نے اپنی کتاب ''الملاك لمعرفة عجائب وأسرار الآيات المتشابهة'' میں بہت عمدگی سے واضح کیا ہے۔ ہم یہاں ان کی ترجمانی کرتے ہیں:

(۱) ''اُنْزِلَ عَلٰی'' کا صیغہ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جس پر وحی نازل ہو' اور اس سے مراد اعزاز اور تکریم کا اظہار بھی ہے' کیونکہ ''عَلٰی'' کا لفظ ''عُلُوٌّ'' یعنی بلندی سے آنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور وہ شخص مذکور کے لیے اوپر سے نیچے تک برکت چاہتا ہے' اور یہ ایسے ہی ہے جیسے نہاتے وقت سر پر پانی ڈالا جائے جو سارے بدن کو چھوتا ہوا طہارت کا فائدہ دے' اور جیسے کسی مقابلے میں کامیاب شخص کو میڈل پہنایا جاتا ہے یا پھول پہنائے جاتے ہیں تو وہ سر سے گزار کر گردن تک پہنچتے ہیں۔

(۲) سورۂ آل عمران میں ''قُلْ'' کہہ کر رسول اللہ ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے: ''قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰه''۔ پھر کہا گیا: ''وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا..... الخ''۔ یہاں ''قُوْلُوْٓا'' کہہ کر مؤمنوں سے خطاب نہیں کیا گیا' اس لیے کہ جس پر وحی نازل کی گئی تھی وہی نزولِ قرآن کے اعزاز سے نوازا گیا تھا' تو یہاں ''عَلَيْنَا'' لاکر یہ بتایا جارہا ہے کہ گو مؤمنین بھی نزولِ قرآن پر خوشی کا اظہار کررہے ہیں' لیکن یہ قرآن اصلاً رسول اللہ ﷺ پر ہی نازل ہوا ہے کہ آیت کے شروع میں انہی سے خطاب ہے۔

اور پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ سورۂ آل عمران کا موضوع ''محمدؐ رسول اللہ'' ہے' اس لیے یہاں ''عَلٰی'' کا صیغہ لانا زیادہ مناسب تھا کہ محمد ﷺ ہی کو رسالت کا اور قرآن کے ان پر نازل ہونے کا شرف حاصل ہوا' اور جب یہ الفاظ ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ کہے گئے تو سب سے پہلے یہ الفاظ اللہ کے رسول ہی نے ادا کیے' اور چاہے یہاں جمع کا صیغہ ہی کیوں نہ ہو' سب سے پہلے اس صیغے سے وہی مراد ہوگا جو اصل مقصود ہے۔

(۳) جہاں تک صیغہ ''اِلٰی'' کا تعلق ہے تو وہ احکامات کی تعمیل کے لیے لایا جاتا ہے' مراد یہ ہے کہ یہ احکام ہم تک پہنچ گئے۔ جس طرح بادشاہ کا حکم جب رعیت تک پہنچ جائے تو ان پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے' اسی طرح کا معاملہ یہاں بھی ہے۔ یعنی وحی اصلاً مؤمنوں پر نہیں اتری' انبیاء پر اتری ہے' اور پھر ان کے ذریعے تمام اہلِ ایمان تک پہنچی ہے۔ اس لیے جب ''قُوْلُوْا'' کہہ کر اُمت سے خطاب کیا گیا تو یہاں ''عَلٰی'' کے بجائے ''اِلٰی'' کا صیغہ لانا زیادہ مناسب تھا' کیونکہ یہاں قول کی نسبت اُمتیوں کی طرف کی گئی ہے۔

(۴) سورۃ النساء کی آیت ۱۰۵ میں چونکہ تعمیل حکم مقصود تھا اس لیے وہاں نبی ﷺ کے لیے ''اِلٰی'' کا صیغہ لایا گیا۔ فرمایا:

﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ﴾

''ہم نے آپؐ پر حق کے ساتھ کتاب کو اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ کر سکیں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔''

اور پھر آیت ۱۱۳ میں ''عَلٰی'' کا صیغہ لایا گیا' کیونکہ یہاں اعزاز وتکریم مقصود ہے۔فرمایا:

﴿وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ﴿۱۱۳﴾﴾ (النساء)

''اور اگر آپؐ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ایک گروہ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ آپ کو گمراہ کر دیں۔حالانکہ اگر وہ گمراہ کریں گے تو صرف اپنے آپ کو کریں گے اور وہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔اور اللہ نے آپؐ پر کتاب اور حکمت کو اتارا' آپؐ کو وہ کچھ سکھایا جو آپؐ نہیں جانتے تھے' اور آپؐ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔''

ایک دفعہ پھر ہم اس بات کا اعادہ کیے دیتے ہیں کہ ''وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا'' کہہ کر اہل ایمان اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ ہم تک شریعت کے احکامات پہنچ گئے ہیں' تا کہ ہم ان پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور محبت کو پالیں اور یوں ہماری عبودیت پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے۔خیال رہے کہ یہ آیت سورۃ البقرۃ میں وارد ہوئی ہے جو عبودیت اور اللہ سے محبت کی سورت ہے۔

(۵) سورۂ آل عمران میں چونکہ خطاب اللہ کے رسول ﷺ سے ہے اس لیے وہاں استعلاء (عُلُو کا صیغہ) مناسب تھا اور سورۃ البقرۃ میں چونکہ تمام اہلِ ایمان مخاطب تھے اس لیے وہاں انتہاء (یعنی اِلٰی کا صیغہ) مناسب تھا۔واللہ اعلم!

اب ہم اصل کتاب کی عبارت کی طرف لوٹتے ہیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت میں ﴿وَمَآ اُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ﴾ کہا گیا لیکن آل عمران کی آیت میں ''وَمَآ اُوۡتِىَ'' ساقط کر دیا گیا اور وہ اس لیے کہ سورۃ البقرۃ میں چونکہ حکم نبی ﷺ کو اور اہل ایمان سب کو دیا گیا تھا تو اس لیے ''جو کچھ انبیاء کو دیا گیا'' کہہ کر ان کا خصوصی تذکرہ کیا گیا۔صرف اس یاددہانی کے لیے کہ اہلِ ایمان دوسرے لوگوں کی طرح ان میں فرق روا نہیں رکھتے ہیں' تو ان کی اس کیفیت (یعنی سب پر ایمان لانے) کی مناسبت سے جہاں موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ ''وَمَآ اُوۡتِىَ'' کے الفاظ لائے گئے وہاں تمام انبیاء کے لیے عمومی طور پر یہ الفاظ بھی لائے گئے۔

سورۂ آل عمران کی آیت میں خطاب کا آغاز لفظ قُلۡ سے صرف نبی ﷺ سے ہو رہا ہے اور بعد میں عمومی تذکرہ ہوا ہے' اس لیے مناسب یہی تھا کہ دوسرے انبیاء کی طرف وحی کیے جانے کو علیحدہ سے بیان نہ کیا جاتا کہ رسول اللہ ﷺ کے مقام کا تقاضا ہے کہ وہ انبیاء میں فرق روا رکھنے سے بری ہیں۔

(۲۹) **آیت** ۱۴۴:

﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ﴾

''ہم آپؐ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اب ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے آپ خوش ہیں' تو آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔ اور آپ جہاں کہیں بھی ہوں' اپنا منہ اسی طرف پھیرا کریں۔''

اس کے بعد آیت ۱۴۹ اور ۱۵۰ میں دوبارہ یہ الفاظ آئے:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾﴾

''اور جہاں کہیں بھی تم نکلو تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ اور یہی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ اور اللہ غافل نہیں ان تمام اعمال سے جو تم کر رہے ہو۔''

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴾

''اور جہاں کہیں بھی تم نکلو تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دو۔ اور جہاں کہیں بھی تم ہو تو اسی طرف اپنے چہرے پھیر دو۔''

سوال یہ ہے کہ ایک ہی بات کی بار بار تکرار کیوں ہو رہی ہے؟ کیا اس میں کوئی معنی پنہاں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے (واللہ اعلم) کہ جب کوئی اہم حکم دیا جاتا ہے تو اس میں اس کے تمام پہلوؤں کا اس لیے احاطہ کیا جاتا ہے تاکہ اسے بدرجہ کمال پورا کیا جا سکے اور اس میں کسی قسم کے شبہ کا احتمال نہ رہے' اور اس امت کے لیے خاص طور پر اس بات کا خیال رکھا گیا ہے تاکہ یہ امت ان بوجھوں سے محفوظ رہے جن میں پچھلی امتیں گرفتار رہی تھیں۔

دیکھئے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا ہوا؟ جب انہیں مطلق حکم دیا گیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ﴾ (البقرۃ:۶۷)

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔''

اب یہ حکم مطلق تھا اور دوسری طرف بنی اسرائیل کے حکم بجالانے میں سست روی بھی معروف تھی۔ انہوں نے حکم کی ماہیت جاننے کے لیے سوال در سوال شروع کر دیے' اور پھر جب ان کی طرف سے سختی کی گئی تو حکم بھی سخت ہوتا گیا' لیکن اس امت کو اس قسم کی سختیوں سے بچانا مقصود تھا۔ دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے روزے کا حکم دیا۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزے ایسے ہی فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے والوں پر فرض کیے گئے تھے۔''

اور پھر روزے کی تفصیلات کھول کھول کر بیان کی گئیں۔ مہینہ کی حد بتائی گئی' مہینہ کا نام بتایا گیا' امساک کا آغاز اور افطار کا وقت بتایا گیا۔ حالتِ مرض اور حالتِ سفر کا بیان کیا گیا' روزوں کی گنتی پوری کرنے کا حکم واضح کیا

گیا۔یعنی وہ تمام باتیں بتائی گئیں جس سے یہ حکم علیٰ وجہ الکمال ادا کیا جا سکے‘ اور قبل اس سے کہ لوگوں کی طرف سے کوئی سوال ہو‘ تمام شبہات اور احتمالات کا پہلے سے جواب دے دیا گیا۔

بالکل ایسا ہی قبلے کی طرف رخ کرنے کے حکم کے بارے میں کہا جا سکتا ہے۔اب یہاں سب سے پہلے تو نبی ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے:

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ﴾

گو یہاں اس جہت کی وضاحت ہوگئی جس کی طرف رخ کرنا ہے‘ لیکن پھر بھی یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ یہ حکم آیا صرف نبی ﷺ کے لیے ہے یا آپ کی امت کے لیے بھی ہے؟ یہاں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ احتمال بعید ہے‘ کیونکہ خود نبی ﷺ سے ہی یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ایک شخص کو حکم دیا جانا‘ تمام لوگوں کو حکم دیے جانے کے برابر ہے اور یہ کہ نبی ﷺ سے خطاب نہ صرف ان کے لیے ہوتا ہے بلکہ تمام امت کے لیے بھی ہوتا ہے اِلا یہ کہ ایسی کوئی دلیل ہو جس سے وہ حکم صرف نبی ﷺ کے لیے خاص ہو جاتا ہو۔اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ ہم جس احتمال یا شبہ کے ہونے کی بات کر رہے ہیں‘ ان سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو کتاب وسنت کے مسلم قواعد کو جانتے اور پہچانتے ہیں‘ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو دل اور دماغ میں کج روی رکھتے ہیں‘ دین کے بارے میں نکتہ چینی کرنا ان کی عادتِ ثانیہ ہے‘ مسلمانوں کی نہیں بلکہ ملحدین کو مانتے ہیں۔ایسے ہی لوگ معمولی سے معمولی احتمال کو بھی نکتہ چینی کر کے پہاڑ بنا دیتے ہیں۔اس لیے نبی ﷺ کو حکم دیے جانے کے فوراً بعد امت کو بھی یہی حکم دیا گیا تا کہ یہ احتمال باقی نہ رہے کہ یہ حکم نبی ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔فرمایا:

﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ﴾

یہاں ایک بات مزید نکھر کر سامنے آ گئی کہ اس حکم کا تعلق کسی خاص جگہ سے نہیں‘ بلکہ تم جہاں کہیں بھی ہو‘ اس قبلے کی طرف ہی رخ کرو۔ابھی بھی ایک احتمال باقی رہتا ہے جس کا تذکرہ مع الجواب ہم کرنے والے ہیں۔اور پھر فرمایا:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ﴾ (آیت ۱۴۹)

اب یہاں نبی ﷺ کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ حکم مدینہ میں بحالتِ اقامت اور مدینہ سے باہر جانے یعنی حالت سفر دونوں میں برابر ہے۔یہ بات چونکہ پہلی آیت سے واضح نہیں تھی اس لیے اسے علیحدہ سے واضح کیا گیا۔اور پھر اگلی آیت میں یہی بات دوبارہ دہرائی جا رہی ہے۔فرمایا:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾

یہاں یقیناً تکرار ہے اور بعض دفعہ کسی بات کی تاکید کے لیے بھی تکرار کی جاتی ہے‘ اور اگر ان آیات کے پس منظر کو بھی یاد رکھا جائے کہ یہود نے تحویلِ قبلہ کے بارے میں بار بار اعتراض کیا تھا تو جواباً حکم میں بھی تکرار کی گئی۔لیکن یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس دوسری آیت میں اُمت کو بھی واضح طور پر حکم دیا جا رہا ہے کہ تم بھی جہاں کہیں نکلو تو تمہارا بھی وہی حکم ہے جو نبی ﷺ کو دیا گیا ہے۔

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ الفاظ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ﴾ بعینہٖ پہلے بھی آ چکے ہیں؟ تو ہم کہیں گے کہ پہلے مدینہ سے خروج کا تذکرہ نہ تھا۔ اس لیے ان دونوں آیات میں امت کے لیے بھی دونوں حالتوں کا حکم بیان ہوگیا۔ یعنی اگر مدینہ اور اس کے اطراف میں ہو تب بھی اور اگر مدینہ سے باہر نکل جاؤ تب بھی، حکم ایک ہی رہے گا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ یہ آیت ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ﴾ بہرصورت مکرر واقع ہوئی ہے؟ جواب میں ہم کہیں گے کہ پہلی مرتبہ اس آیت کے بعد یہ الفاظ آ گئے:

﴿وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾﴾

یہ آیت فاصل بن گئی آیت کے پہلے جزو میں اور اس حکم میں جو اس کے بعد آ رہا تھا اور اسی پر اس کی بنیاد بھی تھی، اور قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ اگر آیت کے جزوِ اوّل اور جزوِ ثانی میں گہرا ربط ہو اور بیچ میں فاصل آ جائے تو پھر پہلے جزو کی تکرار کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ المؤمنون کی آیت ۳۵ دیکھئے:

﴿اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾

''کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈی میں تبدیل ہو جاؤ گے تو تم دوبارہ نکالے جاؤ گے؟''

یہاں لفظ ''اِنَّكُمْ'' کو دوبارہ لایا گیا کیونکہ ''اِنَّكُمْ'' کی خبر سے پہلے ﴿اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا﴾ کی وجہ سے فاصل آ گیا تھا۔ بعینہٖ اس آیت میں بھی ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ﴾ کو اگلے حکم سے جوڑنے کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ گو آیت کی تکرار ہوئی ہے لیکن اس سے مجرد تاکید مراد نہیں ہے بلکہ اس میں چند اضافی فائدے بھی پنہاں ہیں جو صرف تکرار سے حاصل ہوئے ہیں اور اس اعتبار سے آیات کی تکرار مناسبت سے خالی نہیں۔

اور سورۂ قٓ کی آیات (۹ تا ۱۱) میں ارشاد فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾﴾

''اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا پھر اس سے اگائے باغات، کٹی جانے والی غلے کی فصلیں، بلند و بالا کھجور کے درخت تہ بہ تہ خوشے والے، بندوں کی روزی کے لیے، اور اسی (پانی) سے ہم زندہ کر دیتے ہیں مردہ زمین کو۔''

اور یوں سورۃ الجاثیہ میں واضح کر دیا کہ آسمان سے اُترنے والا پانی دراصل تمہارے لیے رزق مہیا کرتا ہے یا یہ کہ وہ رزق کا سبب بنتا ہے۔ اور اس طرح ''پانی سے کیا مراد ہے'' اس کی وضاحت ہوگئی، جیسے کہ سورۃ الذاریات (آیت ۲۲) میں بھی فرمایا:

﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾

''اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ تمام چیزیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

(جاری ہے)

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم
ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ الانعام

آیات ۱۰۱ تا ۱۰۷

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾
قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ
بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا
جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

ل ط ف

لَطَفَ يَلْطُفُ (ن) لُطْفًا وَلَطُفَ يَلْطُفُ (ک) لَطَافَةً: لطیف ہونا۔ یہ ثقیل اور کثیف کی ضد ہے۔ (''لَطَافَةً'' ''کَثَافَةً'' کی ضد ہے۔) یعنی ہر قسم کے ثقل اور کثافت سے مبرّا ہونا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں آتا ہے۔ (۱) نرم اور مہربان ہونا (۲) ایسی تدبیر کرنا کہ کسی کو اس کا احساس نہ ہو (۳) باریک بین ہونا۔

لَطِيْفٌ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت' اسم الفاعل کے معانی میں): ہمیشہ اور ہر حال میں (۱) نرمی اور مہربانی کرنے والا (۲) غیر محسوس تدبیر کرنے والا۔ (۳) باریک بین۔ ﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ﴾ (الشوریٰ:۱۹) ''اللہ نرمی کرنے والا ہے اپنے بندوں سے۔'' ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ﴾ (یوسف:۱۰۰) ''بے شک میرا

رب غیر محسوس تدبیر کرنے والا ہے اس کے لیے، جس کے لیے وہ چاہتا ہے۔'' اور زیر مطالعہ آیت ۱۰۳۔

تَلَطَّفَ يَتَلَطَّفُ (تفعّل) تَلَطُّفًا : بتکلّف نرمی اختیار کرنا۔ ﴿فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ (الکھف:۱۹) ''پھر چاہیے کہ وہ لائے تمہارے لیے کچھ کھانا اس میں سے اور چاہیے کہ وہ نرمی اختیار کرے۔''

ترکیب: (آیت ۱۰۱) ''يَكُوْنُ'' كَانَ تامہ ہے اور ''وَلَدٌ'' اس کا فاعل ہونے کی وجہ سے حالتِ رفع میں ہے۔ (آیت ۱۰۲) ''ذٰلِكُمُ اللّٰهُ'' مرکب اشاری اور مبتدا ہے۔ ''رَبُّكُمْ'' اس کی خبر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ''ذٰلِكُمُ'' کو مبتدا اور ''اللّٰهُ'' کو خبر مانیں، تو ''رَبُّكُمْ'' بدل ہوگا ''اللّٰهُ'' کا۔ ترجمے میں ہم پہلی صورت کو ترجیح دیں گے۔ (آیت ۱۰۴) ''لِنَفْسِهٖ'' قائم مقام خبر ہے۔ اس کا مبتدا ''فَبَصِيْرَتُهٗ'' محذوف ہے۔ اسی طرح ''عَلَيْهَا'' کا مبتدا ''فَعَمْيُهٗ'' محذوف ہے۔ (آیت ۱۰۵) ''لِيَقُوْلُوْا'' پر لام عاقبت ہے جبکہ ''لِنُبَيِّنَهٗ'' پر لامِ کَی ہے۔

ترجمہ:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : (وہ) زمین اور آسمانوں کا ایجاد کرنے والا ہے	اَنّٰى : کہاں سے
يَكُوْنُ : ہوگی	لَهٗ : اس کے لیے
وَلَدٌ : کوئی اولاد	وَّ : اس حال میں کہ
لَمْ تَكُنْ : تھی ہی نہیں	لَّهٗ : اس کے لیے
صَاحِبَةٌ : کوئی ساتھی (یعنی بیوی)	وَخَلَقَ : اور اس نے پیدا کیا
كُلَّ شَيْءٍ : ہر چیز کو	وَهُوَ : اور وہ
بِكُلِّ شَيْءٍ : ہر چیز کو	عَلِيْمٌ : جاننے والا ہے
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ : یہ اللہ	رَبُّكُمْ : تمہارا رب ہے
لَآ اِلٰهَ : کوئی الٰہ نہیں ہے	اِلَّا : سوائے اس کے کہ
هُوَ : وہ (ہی)	خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ : جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے
فَاعْبُدُوْهُ : پس تم بندگی کرو اس کی	وَهُوَ : اور وہ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ : ہر چیز کا	وَّكِيْلٌ : کارساز ہے
لَا تُدْرِكُهُ : نہیں پاتیں اس کو	الْاَبْصَارُ : آنکھیں
وَهُوَ : اور وہ	يُدْرِكُ : پالیتا ہے
الْاَبْصَارَ : آنکھوں کو	وَهُوَ : اور وہ
اللَّطِيْفُ : باریک بین ہے	الْخَبِيْرُ : باخبر ہے

قَدْ جَآءَ كُمْ : آ چکی ہیں تمہارے پاس
مِنْ رَّبِّكُمْ: تمہارے ربّ (کی طرف) سے
اَبْصَرَ : بینا ہوا

وَمَنْ : اور جو

فَعَلَيْهَا : تو (اس کا اندھا پن) اس پر ہے
عَلَيْكُمْ : تم لوگوں پر
وَكَذٰلِكَ : اور اس طرح
الْاٰيٰتِ : نشانیوں کو
دَرَسْتَ : تو نے سبق پڑھا
لِقَوْمٍ : ایسے لوگوں کے لیے
اِتَّبِعْ : آپؐ پیروی کریں
اُوْحِيَ : وحی کی گئی
مِنْ رَّبِّكَ: آپؐ کے ربّ (کی جانب) سے
اِلَّا : سوائے اس کے کہ
وَاَعْرِضْ : اور آپؐ بے رخی برتیں
وَلَوْ : اور اگر
اللّٰهُ : اللہ
وَمَا جَعَلْنٰكَ : اور ہم نے نہیں بنایا آپؐ کو
حَفِيْظًا : کوئی نگرانی کرنے والا
عَلَيْهِمْ : ان کے

بَصَآئِرُ : سمجھ میں آنے والی دلیلیں
فَمَنْ : پس جو
فَلِنَفْسِهٖ : تو (اس کی بصیرت) اس کے اپنے لیے ہے
عَمِيَ : اندھا ہوا

وَمَآ اَنَا : اور میں نہیں ہوں
بِحَفِيْظٍ : کوئی نگرانی کرنے والا
نُصَرِّفُ : ہم پھیر بدل کر بیان کرتے ہیں
وَلِيَقُوْلُوْا : اور نتیجتاً وہ کہتے ہیں
وَلِنُبَيِّنَهٗ : اور تاکہ ہم واضح کریں اس کو
يَّعْلَمُوْنَ : جو علم رکھتے ہیں
مَآ : اس کی جو
اِلَيْكَ : آپؐ کی طرف
لَآ اِلٰهَ : کوئی الٰہ نہیں ہے
هُوَ : وہ (ہی)
عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ : شرک کرنے والوں سے
شَآءَ : چاہتا
مَآ اَشْرَكُوْا : تو یہ لوگ شرک نہ کرتے
عَلَيْهِمْ : ان پر
وَمَآ اَنْتَ : اور آپؐ نہیں ہیں
بِوَكِيْلٍ : کوئی کارساز

نوٹ : انسان کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس دنیا میں یہ ممکن نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے زیارت کی درخواست کی تو جواب ملا کہ آپؑ ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے (الاعراف:۱۴۳) البتہ آخرت میں مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔ یہ بات متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے اور قرآن مجید میں بھی ہے کہ ''قیامت کے روز بہت سے چہرے تروتازہ، ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔'' (القیامۃ:۲۲۔۲۳) البتہ کفار و منکرین اس روز بھی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ کی زیارت سے محروم رہیں گے۔ (المطففین:۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی کہ وہاں جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔ (مسلم) اور اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو جنت میں خاص درجہ عطا فرمائیں گے، ان کو روزانہ صبح و شام زیارت نصیب ہوگی۔ (ترمذی۔ مسند احمد)

آیت زیر مطالعہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کا مطلب یہ ہے کہ انسانی نگاہ اس کی ذات کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اس کی ذات غیر محدود اور انسانی نگاہ محدود ہے۔ دنیا میں انسانی نگاہ میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ رؤیت کو بھی برداشت کرسکے۔ البتہ قیامت میں یہ قوت پیدا ہوجائے گی تو زیارت ہوسکے گی۔ لیکن ذاتِ حق کا احاطہ اس وقت بھی نہ ہوسکے گا۔ (معارف القرآن)

آیات ۱۰۸ تا ۱۱۳

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ
اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ
اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا
جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ
قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ
عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ
مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ
وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ف ء د

فَأَدَ يَفْأَدُ (ف) فَأْدًا :(۱) دل پر مارنا' دل پر لگانا۔ (۲) دل پر لگنا' بزدل ہونا۔

فُؤَادٌ ج اَفْئِدَةٌ (اسم ذات) : دل۔ ﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ﴾ (القصص: ۱۰) ''اور ہوگیا موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل بے قرار۔''

ز خ ر ف

زَخْرَفَ يُزَخْرِفُ (رباعی) زَخْرَفَةً :سجانا' ملمع چڑھانا۔

زُخْرُفٌ (اسم ذات): (۱) سجاوٹ' ملمع (۲) سونا (کیونکہ سجاوٹ کے لیے سونا زیادہ استعمال ہوتا ہے) ﴿اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ﴾ (الاسراء:۹۳) ''یا ہوتا تیرے لیے کوئی گھر سونے کا۔''

ص غ و

صَغِيَ يَصْغٰى (س) صَغًى :مائل ہونا' کسی کی طرف جھکنا۔ زیر مطالعہ آیت ۱۱۳۔

ق ر ف

قَرَفَ يَقْرِفُ (ض) قَرْفًا :درخت کی چھال اتارنا' کسی چیز کو چھیلنا۔

اِقْتَرَفَ (افتعال) اِقْتِرَافًا :کمانا' ارتکاب کرنا۔ زیر مطالعہ آیت ۱۱۳۔

مُقْتَرِفٌ (اسم الفاعل) :ارتکاب کرنے والا۔زیر مطالعہ آیت ۱۱۳۔

ترکیب

(آیت ۱۰۸) ''تَسُبُّوْا'' اور ''یَدْعُوْنَ'' دونوں کا مفعول ''الَّذِیْنَ'' ہے۔''فَیَسُبُّوْا'' کا ''فَا'' سببیہ ہے۔''عَدْوًا'' حال ہے۔(آیت ۱۰۹) ''جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ'' میں ''جَهْدَ'' کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ بھی حال ہے۔''مَا یُشْعِرُ'' کا ''مَا'' استفہامیہ ہے۔''اَنَّهَا'' کی ضمیر ''اٰیَةٌ'' کے لیے ہے۔(آیت ۱۱۰) ''اَوَّلَ مَرَّةٍ'' میں ''اَوَّلَ'' ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔(آیت ۱۱۲) ''عَدُوًّا'' واحد اور جمع' دونوں کے لیے آتا ہے اس لیے اس کا بدل ''شَیْطٰنٌ'' کے بجائے ''شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ'' بھی درست ہے۔''وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ'' سے ''یَفْتَرُوْنَ'' تک درمیان میں جملہ معترضہ ہے اور ''وَلِتَصْغٰی'' کا تعلق ''یُوْحِیْ'' والے جملے سے ہے۔ ''اِلَیْهِ'' کی ضمیر ''زُخْرُفَ الْقَوْلِ'' کے لیے ہے۔

ترجمہ:

وَلَا تَسُبُّوْا :اور تم گالی مت دو	الَّذِیْنَ :ان کو جن کو
یَدْعُوْنَ :یہ پکارتے ہیں	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ :اللہ کے علاوہ
فَیَسُبُّوْا :نتیجتاً وہ برا کہیں گے	اللّٰهَ :اللہ کو
عَدْوًا :زیادتی کرتے ہوئے	بِغَیْرِ عِلْمٍ :کسی علم کے بغیر
كَذٰلِكَ :اس طرح	زَیَّنَّا :ہم نے خوشنما کیا
لِكُلِّ اُمَّةٍ :ہر ایک گروہ کے لیے	عَمَلَهُمْ :ان کے عمل کو
ثُمَّ :پھر	اِلٰی رَبِّهِمْ :اپنے ربّ کی طرف
مَّرْجِعُهُمْ :ان کا لوٹنا ہے	فَیُنَبِّئُهُمْ :پھر وہ جتا دے گا انہیں
بِمَا :اس کو جو	كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ :وہ لوگ کرتے تھے
وَاَقْسَمُوْا :اور انہوں نے قسم کھائی	بِاللّٰهِ :اللہ کی
جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ :اپنی قسموں کا زور لگاتے ہوئے (یعنی پختہ کرتے ہوئے)	لَئِنْ :کہ یقیناً اگر
جَآءَتْهُمْ :آئے ان کے پاس	اٰیَةٌ :کوئی نشانی (یعنی معجزہ)
لَّیُؤْمِنُنَّ :تو وہ لازماً ایمان لائیں گے	بِهَا :اس سے
قُلْ :آپؐ کہیے	اِنَّمَا :کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
الْاٰیٰتُ :نشانیاں	عِنْدَ اللّٰهِ :اللہ کے پاس ہیں
وَمَا یُشْعِرُكُمْ :اور تم کو کیا چیز شعور دیتی ہے (یعنی تم کو کیا خبر)	اَنَّهَآ :کہ وہ

اِذَا : جب
لَا یُؤْمِنُوْنَ : تو یہ ایمان نہ لائیں
اَفْئِدَتَھُمْ : ان کے دلوں کو
کَمَا : جیسے کہ
بِہٖٓ : اس پر
وَّنَذَرُھُمْ : اور ہم چھوڑ دیتے ہیں ان کو
یَعْمَھُوْنَ : بھٹکتے ہوئے
اَنَّنَا : یہ کہ ہم
اِلَیْھِمُ : ان کی طرف
وَکَلَّمَھُمُ : اور بات کریں ان سے
وَحَشَرْنَا : اور ہم اکٹھا کر دیں
کُلَّ شَیْءٍ : ہر چیز کو
مَّا کَانُوْا : تو (بھی) وہ لوگ نہیں ہیں
اِلَّآ اَنْ : سوائے اس کے کہ
وَلٰکِنَّ : اور لیکن
یَجْھَلُوْنَ : غلط عقائد رکھتے ہیں
جَعَلْنَا : ہم نے بنائے
عَدُوًّا : کچھ دشمن
یُوْحِیْ : پیغام رسانی کرتے ہیں
اِلٰی بَعْضٍ : بعض کی طرف
غُرُوْرًا : دھوکے ہوتے ہوئے
شَآءَ : چاہتا
مَا فَعَلُوْہُ : تو وہ یہ نہ کرتے
وَمَا : اور اس کو جو
وَلِتَصْغٰٓی : اور تا کہ مائل ہوں
اَفْئِدَۃُ الَّذِیْنَ : ان کے دل جو
بِالْاٰخِرَۃِ : آخرت پر

جَآءَتْ : آئے
وَنُقَلِّبُ : اور ہم پلٹ دیتے ہیں
وَاَبْصَارَھُمْ : اور ان کی نگاہوں کو
لَمْ یُؤْمِنُوْا : یہ لوگ ایمان نہیں لائے
اَوَّلَ مَرَّۃٍ : پہلی مرتبہ
فِیْ طُغْیَانِھِمْ : ان کی سرکشی میں
وَلَوْ : اور اگر
نَزَّلْنَآ : اتاریں
الْمَلٰٓئِکَۃَ : فرشتوں کو
الْمَوْتٰی : مردے
عَلَیْھِمْ : ان پر
قُبُلًا : سامنے ہوتے ہوئے
لِیُؤْمِنُوْٓا : کہ ایمان لائیں
یَّشَآءَ اللّٰہُ : چاہے اللہ
اَکْثَرَھُمْ : ان کے اکثر
وَکَذٰلِکَ : اور اس طرح
لِکُلِّ نَبِیٍّ : ہر ایک نبی کے لیے
شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ : جو جنوں اور انسانوں کے شیاطین ہیں
بَعْضُھُمْ : ان کے بعض
زُخْرُفَ الْقَوْلِ : بات کے ملمع سے
وَلَوْ : اور اگر
رَبُّکَ : آپؐ کا رب
فَذَرْھُمْ : پس آپؐ چھوڑیں ان کو
یَفْتَرُوْنَ : یہ گھڑتے ہیں
اِلَیْہِ : اس کی طرف
لَا یُؤْمِنُوْنَ : ایمان نہیں رکھتے
وَلِیَرْضَوْہُ : اور تا کہ وہ پسند کریں اس کو

وَلِيَقْتَرِفُوْا : اور تاکہ وہ ارتکاب کریں مَا : اس کا جس کا

هُمْ : وہ مُّقْتَرِفُوْنَ : ارتکاب کرنے والے ہیں

نوٹ : قَلْبٌ اور فُؤَادٌ دونوں کے معنی دل ہی ہے۔ لیکن فُؤَادٌ کا لفظ اس عضو کے لیے استعمال نہیں ہوتا جو سینے کے اندر دھڑکتا ہے' بلکہ اس مقام کے لیے استعمال ہوتا ہے جو انسان کے شعور و ادراک' جذبات و خواہشات' عقائد و افکار اور نیتوں اور ارادوں کا مقام ہے۔ (تفہیم القرآن' ج ۲' ص ۴۵۹) یہ بات نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ قَلْبٌ اور اس کی جمع قُلُوْبٌ کے الفاظ گوشت کے اس لوتھڑے کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں جو ہمارے جسم میں خون پمپ کرتا ہے' لیکن اس معنی میں قرآن مجید ان الفاظ کو استعمال نہیں کرتا۔ قَلْبٌ اور قُلُوْبٌ کو بھی قرآن مجید عام طور پر اس مقام کے لیے ہی استعمال کرتا ہے جو انسان کی خواہشات اور امنگوں کی آماجگاہ ہے۔ اس بات کو ذہن میں واضح کر کے جب ہم قرآن مجید کے ایسے مقامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو پھر ایسی آیات کا مفہوم بہتر طور پر ذہن میں اُجاگر ہوتا ہے۔

پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم کا کہنا ہے کہ کسی خارجی دباؤ سے انسان کے عقائد میں تبدیلی نہیں آتی۔ عقائد میں تبدیلی اسی وقت آتی ہے جب انسان کے اندر کوئی تبدیلی آئے (ترجمہ قرآن کیسٹ سیریز)۔ حافظ صاحب مرحوم کی بات کو عام فہم انداز میں یوں سمجھ لیں کہ جب تک انسان کی امنگوں' نیتوں اور ارادوں میں تبدیلی نہ آئے' کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی اس کے نظریات و عقائد کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ آیات زیر مطالعہ میں اسی حقیقت سے انسان کو آگاہ کیا گیا ہے۔ آیت ۱۱۳ میں اس حقیقت کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے کہ امنگوں اور ارادوں میں تبدیلی کے ضمن میں ایمان بالآخرۃ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

آیات ۱۱۴ تا ۱۱۷

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

خ ر ص

خَرَصَ يَخْرُصُ (ن) خَرْصًا : کسی پیمانے یا وزن کے بغیر پھلوں کا اندازہ کرنا' تخمینہ لگانا' اٹکل لگانا۔ زیر مطالعہ آیت ۱۱۶۔

خَرَّاصٌ (فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ) : بار بار اور ہر وقت اٹکل لگانے والا یعنی جھوٹا۔ ﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰﴾ (الذّٰریٰت) ''مارے گئے جھوٹ اڑانے والے۔''

ترکیب

(آیت ۱۱۴) ''تَبْتَغِیْ'' کا مفعول ''غَیْرَ اللّٰہِ'' ہے جبکہ ''حَکَمًا'' تمیز ہے۔ ''مُفَصَّلًا'' اسم المفعول ہے اور حال ہے۔ (آیت ۱۱۵) ''صِدْقًا'' اور ''عَدْلًا'' کو تمیز بھی مانا جا سکتا ہے اور حال بھی۔ (آیت ۱۱۶) ''تُطِعْ'' کا مفعول ''اَکْثَرَ مَنْ'' ہے اور جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے ''یُضِلُّوْا'' مجزوم ہوا ہے۔ ''اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ'' اور ''اِنْ ھُمْ'' دونوں میں ''اِنْ'' نافیہ ہے' کیونکہ آگے ''اِلَّا'' آیا ہے۔ ''اَعْلَمُ'' تفضیل کل ہے اور اس کا مفعول ''مَنْ'' ہے۔

ترجمہ:

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ : تو کیا اللہ کے علاوہ (کسی کو)
حَکَمًا : بطور منصف کے
ھُوَ : وہ
اَنْزَلَ : اتاری
الْکِتٰبَ : کتاب
وَالَّذِیْنَ : اور وہ لوگ
الْکِتٰبَ : کتاب
اَنَّہٗ : کہ یہ
مِّنْ رَّبِّکَ : آپؐ کے رب (کی طرف) سے
فَلَا تَکُوْنَنَّ : تو آپؐ ہرگز نہ ہوں
وَتَمَّتْ : اور پورا ہوا
صِدْقًا : بطور سچائی کے
لَا مُبَدِّلَ : کوئی تبدیلی کرنے والا نہیں ہے
وَھُوَ : اور وہی
الْعَلِیْمُ : جاننے والا ہے
تُطِعْ : آپؐ اطاعت کریں گے
فِی الْاَرْضِ : زمین میں ہیں
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ : اللہ کے راستے سے
اِلَّا : مگر
وَاِنْ ھُمْ : اور وہ نہیں ہیں
یَخْرُصُوْنَ : اٹکل لگاتے ہیں

اَبْتَغِیْ : میں چاہوں
وَّ : حالانکہ
الَّذِیْٓ : وہ ہے جس نے
اِلَیْکُمُ : تمہاری طرف
مُفَصَّلًا : تفصیل سے بیان کی ہوئی
اٰتَیْنٰھُمُ : ہم نے دی جن کو
یَعْلَمُوْنَ : وہ جانتے ہیں
مُنَزَّلٌ : اتاری ہوئی ہے
بِالْحَقِّ : حق کے ساتھ
مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ : شک کرنے والوں میں سے
کَلِمَتُ رَبِّکَ : آپؐ کے رب کا فرمان
وَّعَدْلًا : اور بطور عدل کے
لِکَلِمٰتِہٖ : اس کے فرمانوں کا
السَّمِیْعُ : سننے والا ہے
وَاِنْ : اور اگر
اَکْثَرَ مَنْ : ان کی اکثریت کی جو
یُضِلُّوْکَ : تو وہ بھٹکا دیں گے آپؐ کو
اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ : وہ لوگ پیروی نہیں کرتے
الظَّنَّ : گمان کی
اِلَّا : مگر یہ کہ
اِنَّ : بے شک

رَبَّكَ : آپؐ کا رب
اَعْلَمُ : سب سے زیادہ جاننے والا ہے
يَّضِلُّ : بھٹکتا ہے
وَهُوَ : اور وہی
بِالْمُهْتَدِيْنَ : ہدایت پانے والوں کو

هُوَ : وہی ہے
مَنْ : اس کو جو
عَنْ سَبِيْلِهٖ : اس کے راستے سے
اَعْلَمُ : سب سے زیادہ جاننے والا ہے

نوٹ : آیت ۱۱۶ کے حوالے سے کچھ لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت نہیں ہے' لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ البتہ اس سے یہ ہدایت ضرور ملتی ہے کہ اکثریت کی رائے کو حق و باطل کا معیار قرار دینا درست نہیں ہے۔ اس کا معیار کچھ اور ہوگا۔ (حافظ احمد یار صاحب مرحوم۔ ترجمہ قرآن کیسٹ سیریز) آیت ۱۱۶ کے ساتھ آیت ۱۱۵ کو بھی ملا کر غور کیا جائے تو بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو احکام قرآن و حدیث سے ثابت ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا اختیار عوام کی اکثریت کو اور کسی قانون ساز اسمبلی کو حاصل نہیں ہے۔ اس طرح ان آیات سے جمہوریت کی نفی تو نہیں ہوتی' البتہ قانون ساز اسمبلی کے اختیارِ مطلق پر تحدید عائد کرنے کے لیے یہ آیات نص صریح ہیں کہ قرآن و حدیث کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔

آیات ۱۱۸ تا ۱۲۱

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

ترجمہ:

فَكُلُوْا : پس تم لوگ کھاؤ
ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ : اللہ کا نام یاد کیا گیا
اِنْ : اگر
بِاٰيٰتِهٖ : اس کی آیتوں پر
وَمَا لَكُمْ : اور تمہیں کیا ہے
مِمَّا : اس میں سے
عَلَيْهِ : جس پر

مِمَّا : اس میں سے
عَلَيْهِ : جس پر
كُنْتُمْ : تم لوگ ہو
مُؤْمِنِيْنَ : ایمان لانے والے
اَلَّا تَاْكُلُوْا : کہ تم لوگ نہیں کھاتے
ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ : اللہ کا نام یاد کیا گیا
وَ : حالانکہ

قَدْ فَصَّلَ: اس نے تفصیل سے بیان کیا ہے
مَّا: اس کو جو
عَلَيْكُمْ: تم پر
مَا: وہ چیز
اِلَيْهِ: جس کی طرف
كَثِيْرًا: اکثر (لوگ)
بِاَهْوَآئِهِمْ: اپنی خواہشات سے
اِنَّ رَبَّكَ: بے شک آپؐ کا رب
اَعْلَمُ: سب سے زیادہ جاننے والا ہے
وَ: اور
ظَاهِرَ الْاِثْمِ: گناہ کے ظاہر کو
اِنَّ: بے شک
يَكْسِبُوْنَ: کماتے ہیں
سَيُجْزَوْنَ: عنقریب ان کو بدلہ دیا جائے گا
كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ: وہ لوگ ارتکاب کرتے تھے
مِمَّا: اس میں سے
اسْمُ اللّٰهِ: اللہ کا نام
وَاِنَّهٗ: اور بے شک یہ
وَاِنَّ: اور بے شک
لَيُوْحُوْنَ: یقیناً پیغام رسانی کرتے ہیں
لِيُجَادِلُوْكُمْ: تاکہ وہ تم لوگوں سے مناظرہ کریں
اَطَعْتُمُوْهُمْ: تم لوگ اطاعت کرو گے ان کی
لَمُشْرِكُوْنَ: یقیناً شرک کرنے والے ہو

لَكُمْ: تمہارے لیے
حَرَّمَ: اس نے حرام کیا
اِلَّا: مگر
اضْطُرِرْتُمْ: تم لوگ مجبور کیے گئے
وَاِنَّ: اور بے شک
لَيُضِلُّوْنَ: یقیناً بھٹکاتے ہیں
بِغَيْرِ عِلْمٍ: کسی علم کے بغیر
هُوَ: وہی
بِالْمُعْتَدِيْنَ: حد سے بڑھنے والوں کو
ذَرُوْا: تم لوگ چھوڑ دو
وَبَاطِنَهٗ: اور اس کے باطن کو
الَّذِيْنَ: جو لوگ
الْاِثْمَ: گناہ کو
بِمَا: بسبب اس کے جس کا
وَلَا تَاْكُلُوْا: اور تم لوگ مت کھاؤ
لَمْ يُذْكَرِ: یاد نہیں کیا گیا
عَلَيْهِ: جس پر
لَفِسْقٌ: یقیناً نافرمانی ہے
الشَّيٰطِيْنَ: شیطان لوگ
اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ: اپنے کارسازوں کی طرف
وَاِنْ: اور اگر
اِنَّكُمْ: تو بے شک تم

نوٹ: کچھ قدیم علماء نے ظاہری گناہ اور باطنی گناہ سے کچھ مخصوص گناہ مراد لیے ہیں۔ موجودہ دور کے علماء میں سے مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے باطنی گناہ سے شرکیہ عقائد اور ظاہری گناہ سے شرکیہ عقائد کے مظاہر مراد لیے ہیں۔ جبکہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے: ''لیکن صحیح یہی ہے کہ آیت اس بارے میں بالکل عام ہے' کسی بات کی تخصیص نہیں ہے''۔ یعنی اس آیت میں ہر قسم کے کھلے اور چھپے گناہ کو چھوڑنے کی تاکید ہے۔

آیات ۱۲۲ تا ۱۲۷

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ
لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ
اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ
قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ
سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ
اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ
رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ
بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ص غ ر

صَغِرَ يَصْغَرُ (س) صَغَرًا : چھوٹا ہونا۔

صَغِيْرٌ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت): چھوٹا۔ ﴿وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾﴾ (القمر) ''اور ہر چھوٹا بڑا سب کچھ لکھا ہوا ہے۔''

اَصْغَرَ (افعل تفضیل): زیادہ چھوٹا۔ ﴿لَا اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾﴾ (یونس) ''نہ اس سے زیادہ کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ ہی کوئی بڑی چیز ہے' مگر یہ کہ وہ ایک واضح کتاب میں ہے۔''

صَغُرَ يَصْغُرُ (ک) صَغَارًا :حقیر ہونا' ذلیل ہونا۔

صَغَارٌ (اسم ذات بھی ہے) :ذلت۔ زیر مطالعہ آیت ۱۲۴۔

صَاغِرٌ (اسم الفاعل): چھوٹا ہونے والا' حقیر ہونے والا' ذلیل ہونے والا۔ ﴿اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾﴾ (الاعراف) ''بے شک تو حقیر و ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔''

ش رح

شَرَحَ يَشْرَحُ (ف) شَرْحًا: (۱) گوشت کے لمبے لمبے ٹکڑے کاٹ کر اسے پھیلانا۔ پھر مطلقاً وسعت دینا' کشادہ کرنے کے لیے آتا ہے۔ ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾﴾ (الانشراح) ''کیا ہم نے کشادہ نہیں کیا آپؐ کے لیے آپؐ کے سینے کو۔'' (۲) کسی کام یا مسئلہ کے گہرے مطالب کو کھولنا۔ پھر مطلقاً کھولنا کے لیے آتا ہے۔ زیر مطالعہ آیت ۱۲۵۔

اِشْرَحْ (فعل امر) :تو کشادہ کر' تو کھول۔ ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾﴾ (طٰہٰ) ''اے میرے رب تو کھول دے میرے لیے میرے سینے کو۔''

ض ی ق

ضَاقَ یَضِیْقُ (ض) ضَیْقًا : تنگ ہونا' گھٹنا۔ ﴿وَضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ﴾ (التوبۃ:۲۵) ''اور تنگ ہوگئی تم لوگوں پر زمین۔''

ضَیْقٌ (اسم ذات) : تنگی' گھٹن۔ ﴿وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ﴾ (النحل) ''اور آپؐ مت پڑھیں گھٹن میں اس سے جو یہ لوگ مکر کرتے ہیں۔''

ضَائِقٌ (اسم الفاعل) : تنگ ہونے والا' گھٹنے والا۔ ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ وَضَآىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ﴾ (ھود:۱۲) ''تو شاید کہ آپؐ چھوڑنے والے ہوں اس کے بعض کو جو وحی کیا جاتا ہے آپؐ کی طرف اور گھٹنے والا ہو اس سے آپؐ کا سینہ۔''

ضَیِّقٌ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت) : تنگ۔ زیر مطالعہ آیت ۱۲۵۔

ضَیَّقَ (تَفْعِیْل) تَضْیِیْقًا : تنگ کرنا' گھوٹنا۔ ﴿وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ﴾ (الطلاق:۶) ''اور تم لوگ تکلیف مت دو ان کو تا کہ تنگ کرو ان کو۔''

ترکیب

(آیت ۱۲۲) ''نُوْرًا'' نکرہ مخصوصہ ہے اور ''یَمْشِیْ بِهٖ'' اس کی خصوصیت ہے۔ ''مَثَلُهٗ'' مبتدأ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ ''لَیْسَ'' کا اسم ''هُوَ'' بھی محذوف ہے۔ ''کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ'' ماضی استمراری ہے' لیکن یہ آفاقی صداقت کا بیان ہے' اس لیے اردو محاورہ میں اس کا ترجمہ حال میں ہوگا۔ (آیت ۱۲۳) ''اَکٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا'' مرکب اضافی ہے اور ''جَعَلَ'' کا مفعولِ اوّل ہے' جبکہ اس کا مفعول ثانی محذوف ہے۔ (آیت ۱۲۴) ''سَیُصِیْبُ'' کا مفعول ''الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا'' ہے' جبکہ ''صَغَارٌ'' اور ''عَذَابٌ شَدِیْدٌ'' اس کے فاعل ہیں۔ ''فَمَنْ'' کا ''مَنْ'' شرطیہ ہے اس لیے ''یُرِدْ'' اور ''یَشْرَحْ'' مجزوم ہیں۔ ''یَجْعَلْ'' کا مفعول ثانی ''ضَیِّقًا'' ہے' جبکہ ''حَرَجًا'' حال ہے۔ ''یَصَّعَّدُ'' دراصل مادہ ''ص ع د'' سے باب تفعل کا مضارع ''یَتَصَعَّدُ'' ہے جو قاعدہ کے مطابق تبدیل ہو کر ''یَصَّعَّدُ'' استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح ''یَذَّکَّرُوْنَ'' بھی دراصل ''یَتَذَکَّرُوْنَ'' ہے اور اس سے پہلے ''مُسْتَقِیْمًا'' حال ہے۔

ترجمہ:

اَوَ مَنْ : اور کیا وہ' جو	کَانَ : تھا
مَیْتًا : مردہ	فَاَحْیَیْنٰهُ : پھر ہم نے زندگی دی اس کو
وَجَعَلْنَا : اور ہم نے بنایا	لَهٗ : اس کے لیے
نُوْرًا : ایک نور	یَّمْشِیْ : وہ چلتا پھرتا ہے
بِهٖ : اس سے	فِی النَّاسِ : لوگوں میں
کَمَنْ : اس کی مانند ہے	مَّثَلُهٗ : جس کے جیسا

فِی الظُّلُمٰتِ :اندھیروں میں ہے
مِّنْهَا:ان سے
زُیِّنَ :سجایا گیا
مَا :اس کو جو
وَكَذٰلِكَ :اوراس طرح
فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ :ہرایک بستی میں
لِیَمْكُرُوْا :تاکہ وہ سازباز کریں
وَمَا یَمْكُرُوْنَ :اوروہ سازباز نہیں کرتے
بِاَنْفُسِهِمْ :اپنی جانوں پر
مَا یَشْعُرُوْنَ :وہ شعور نہیں رکھتے
جَآءَتْهُمْ :آتی ہے ان کے پاس
قَالُوْا :تو وہ کہتے ہیں
حَتّٰی :یہاں تک کہ
مِثْلَ مَآ :اس کے جیسا جو
رُسُلُ اللّٰهِ :اللہ کے رسولوں کو
اَعْلَمُ :سب سے زیادہ جاننے والا ہے
یَجْعَلُ :وہ بنائے (یعنی رکھے)
سَیُصِیْبُ :عنقریب پہنچے گی
اَجْرَمُوْا :جرم کیا
عِنْدَ اللّٰهِ :اللہ کے پاس سے
بِمَا :بسبب اس کے جو
فَمَنْ :پس جس کے لیے
اللّٰهُ :اللہ
یَّهْدِیَهٗ :وہ ہدایت دے اس کو
صَدْرَهٗ :اس کے سینے کو
وَمَنْ :اور جس کے لیے
اَنْ :کہ
یَجْعَلْ :تو وہ بنا دیتا ہے

لَیْسَ بِخَارِجٍ :(وہ) نکلنے والا نہیں ہے
كَذٰلِكَ :اس طرح
لِلْكٰفِرِیْنَ :کافروں کے لیے
كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ :یہ لوگ کرتے ہیں
جَعَلْنَا :ہم نے بنایا
اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا:اس کے مجرموں کے سردار
فِیْهَا :اس میں
اِلَّا :مگر
وَ :اس حالت میں کہ
وَاِذَا :اور جب بھی
اٰیَةٌ :کوئی نشانی
لَنْ نُّؤْمِنَ :ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے
نُؤْتٰی :ہم کو دیا جائے
اُوْتِیَ :دیا گیا
اَللّٰهُ :اللہ
حَیْثُ :(کہ) کہاں
رِسٰلَتَهٗ :اپنی رسالت کو
الَّذِیْنَ :ان لوگوں کو جنہوں نے
صَغَارٌ :ایک ذلت
وَعَذَابٌ شَدِیْدٌ :اور ایک شدید عذاب
كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ:یہ لوگ سازباز کرتے ہیں
یُّرِدِ :ارادہ کرتا ہے
اَنْ :کہ
یَشْرَحْ : تو وہ کشادہ کر دیتا ہے
لِلْاِسْلَامِ :اسلام کے لیے
یُّرِدْ :وہ ارادہ کرتا ہے
یُّضِلَّهٗ :وہ بھٹکا دے اس کو
صَدْرَهٗ :اس کے سینے کو

ضَيِّقًا : تنگ
كَاَنَّمَا : گویا
فِي السَّمَآءِ : آسمان میں
يَجْعَلُ : رکھ دیتا ہے
الرِّجْسَ : نجاست کو
لَا يُؤْمِنُوْنَ : ایمان نہیں لاتے
صِرَاطُ رَبِّكَ : آپؐ کے رب کا راستہ ہے
قَدْ فَصَّلْنَا : ہم نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے
لِقَوْمٍ : ایسے لوگوں کے لیے جو
لَهُمْ : ان کے لیے
عِنْدَ رَبِّهِمْ : ان کے رب کے پاس
وَلِيُّهُمْ : ان کا کارساز ہے
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ : یہ لوگ کرتے ہیں

حَرَجًا : تنگ ہوتے ہوئے
يَصَّعَّدُ : وہ ہانپتے کانپتے چڑھتا ہے
كَذٰلِكَ : اس طرح
اللّٰهُ : اللہ
عَلَى الَّذِيْنَ : ان لوگوں پر جو
وَهٰذَا : اور یہ
مُسْتَقِيْمًا : ہر کجی اور جھکاؤ سے پاک ہوتے ہوئے
الْاٰيٰتِ : نشانیوں کو
يَّذَّكَّرُوْنَ : نصیحت حاصل کرتے ہیں
دَارُ السَّلٰمِ : سلامتی کا گھر ہے
وَهُوَ : اور وہ
بِمَا : بسبب اس کے جو

نوٹ:

(ا) یہاں موت سے مراد کفر کی زندگی ہے اور حیات سے مراد ایمان کی زندگی ہے۔ نور سے مراد وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان امتیاز اور حلال و حرام کی تفصیل کے لیے اتاری ہے۔ ظلمات سے مراد ظنون و اوہام اور خواہشات و بدعات ہیں۔ (تدبر قرآن)

(ب) يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ فرما کر اس طرف بھی رہنمائی کر دی گئی ہے کہ نورِ ایمان صرف کسی مسجد یا خانقاہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ نور دیا ہے وہ سب جگہ لوگوں کے رزم و بزم میں اس کو لیے پھرتا ہے اور ہر جگہ اس روشنی سے خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ نور کسی ظلمت سے دب نہیں سکتا۔ ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی اندھیرے میں مغلوب نہیں ہوتا۔ اس کی روشنی تیز ہوتی ہے تو دور تک پھیلتی ہے' کم ہوتی ہے تو تھوڑی جگہ کو روشن کرتی ہے' مگر اندھیرے پر بہرحال غالب ہی رہتی ہے۔ وہ روشنی ہی نہیں جو اندھیرے سے مغلوب ہو جائے۔ اسی طرح وہ ایمان ہی نہیں جو کفر سے مغلوب یا مرعوب ہو جائے۔ یہ نورِ ایمانی انسانی زندگی کے ہر شعبہ' ہر حال اور ہر دور میں انسان کے ساتھ ہے۔ (معارف القرآن)

(ج) كَمَنْ مَّثَلُهٗ عربی محاورہ ہے' جیسے ہم کہتے ہیں کہ تیرے جیسا آدمی تو یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس سے ہماری اصل مراد یہ ہوتی ہے کہ تو یہ کام نہیں کر سکتا۔ اسی طرح عربی میں یہ کہنا کہ اس کی مانند جس کے جیسا اندھیروں میں ہے' اس سے اصل مراد یہی ہے کہ اس کی مانند جو اندھیروں میں ہے۔ (حافظ احمد یار صاحب مرحوم)

(د) زُيِّنَ فعل مجہول ہے یعنی اس کا فاعل نامعلوم ہے اور یہ پتا نہیں کہ سجانے والا کون ہے۔ لیکن انسانی ذہن

تفتیش کرنے سے باز نہیں آتا اور سوچتا ہے کہ سجانے والا کون ہوسکتا ہے۔تو یہ بات ذہن میں واضح کرلیں کہ زُیِّنَ کا بھی فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔اس دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں ہر کام کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔کیونکہ ہر کام اسی کے بنائے ہوئے اسباب وعلل (cause and effect) کے قوانین کے تحت ہوتا ہے۔البتہ ہر کام کا ایک فاعل مجازی بھی ہوتا ہے جس کو ترک واختیار کی آزادی (freedom of choice) اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہوئی ہے۔وہ اپنی آزاد مرضی سے کسی کام کو ترک کرتا ہے' کسی کو اختیار کرتا ہے اور اسی بنیاد پر وہ اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔اس لحاظ سے زُیِّنَ کے فاعل مجازی شیاطین جن وانس ہیں۔یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ یہاں فعل مجہول لاکر اس نے سجانے کے عمل کے دونوں پہلوؤں کا احاطہ کرلیا ہے۔

(۶) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم کیسے پہچانیں کہ کسی کو شرح صدر حاصل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس کا پتا اس بات سے چلے گا کہ کون دارالآخرت کی طرف زیادہ جھکا ہوا ہے اور دنیا کے تمتعات سے کس قدر دور رہتا ہے اور موت آنے سے پہلے ہی موت کے لیے خود کو کس قدر تیار کر رکھا ہے۔(ابن کثیر)

آیات ۱۲۸ تا ۱۳۵

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ
رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ۝ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ وَلِكُلٍّ
دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ
يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ مَا
تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

ترکیب

(آیت ۱۲۸) ''یَحْشُرُ'' کی ضمیر فاعلی گزشتہ آیت میں ''رَبِّھِمْ'' کے لیے ہے۔''جَمِیْعًا'' تاکید کے لیے ہے اور اس کے آگے ''فَیَقُوْلُ'' محذوف ہے۔''اَلْجِنِّ وَالْاِنْسِ'' پر لام جنس ہے۔(آیت ۱۳۰) ''یُنْذِرُوْنَ'' کا مفعول اوّل ''کُمْ'' ہے اور مفعول ثانی ''لِقَاءَ'' ہے۔(آیت ۱۳۳) ''اَلْغَنِیُّ'' صفت ہے ''رَبُّ'' کی اور یہ پورا مرکب اضافی مبتدا ہے' جبکہ ''ذُوالرَّحْمَةِ'' اس کی خبر ہے۔''اٰخَرِیْنَ'' مضاف الیہ ''قَوْمٍ'' کی صفت ہے۔(آیت ۱۳۴) ''اٰتٍ'' اسم الفاعل ہے اور ''اِنَّ'' کی خبر ہونے کی وجہ سے حالت رفع

میں ہے جبکہ ''اِنَّ'' کا اسم ''مَا تُوْعَدُوْنَ'' ہے۔ ''تُوْعَدُوْنَ'' مجہول ہے۔ ثلاثی مجرد اور بابِ افعال کے مجہول ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ اس کو اگر ثلاثی کا مجہول مانیں تو معنی ہوں گے ''وعدہ دیے جاتے ہو''۔ اگر افعال کا مجہول مانیں تو معنی ہوں گے ''دھمکائے جاتے ہو یا ڈرائے جاتے ہو''۔ دونوں طرح سے ترجمہ کو درست مانا جائے گا۔
(آیت ۱۳۵) ''عَاقِبَةُ'' کی صفت محذوف ہے اور ''الدَّارِ'' پر لام تعریف ہے۔ ''اِنَّهٗ'' ضمیر الشان ہے۔

ترجمہ:

وَيَوْمَ :اور جس دن
جَمِيْعًا :سب کے سب کو
قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ :تم نے بہت جمع کیا ہے
وَقَالَ :اور کہیں گے
مِّنَ الْاِنْسِ :انسانوں میں سے
اسْتَمْتَعَ :فائدہ اٹھایا
بِبَعْضٍ :بعض سے
اَجَلَنَا الَّذِيْٓ :اپنی اس مدت کو جو
لَنَا :ہمارے لیے
النَّارُ :آگ
خٰلِدِيْنَ :ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے
اِلَّا :مگر
شَآءَ :چاہے
اِنَّ :بے شک
حَكِيْمٌ :حکمت والا ہے
وَكَذٰلِكَ :اور اس طرح
بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ :ظالموں کے بعض کو
بِمَا :بسبب اس کے جو
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ :اے انسانوں اور جنّوں کے گروہ
لَمْ :نہیں
رُسُلٌ :کچھ رسول

يَحْشُرُهُمْ :وہ اکٹھا کرے گا ان کو
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ :(پھر کہے گا) اے جنوں کے گروہ
مِّنَ الْاِنْسِ :انسانوں میں سے
اَوْلِيٰٓئُهُمْ :ان کے ساتھی
رَبَّنَا :اے ہمارے رب
بَعْضُنَا :ہمارے بعض نے
وَّبَلَغْنَآ :اور ہم پہنچے
اَجَّلْتَ :تو نے وقت مقرر کیا
قَالَ :وہ (یعنی اللہ) کہے گا
مَثْوٰىكُمْ :تمہارا ٹھکانہ ہے
فِيْهَآ :اس میں
مَا :وہ جو
اللّٰهُ :اللہ
رَبَّكَ :آپؐ کا رب
عَلِيْمٌ :جاننے والا ہے
نُوَلِّيْ :ہم پھیر دیں گے (یعنی ساتھ ملا دیں گے)
بَعْضًا :بعض کے ساتھ
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ :وہ کمائی کرتے تھے
اَ :کیا
يَاْتِكُمْ :پہنچے تمہارے پاس
مِّنْكُمْ :تم میں سے

يَقُصُّوْنَ :وہ بیان کرتے تھے
اٰيٰتِیْ :میری آیتوں (یعنی ہدایات) کو
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا :تمہارے اس دن کے ملاقات کرنے سے
شَهِدْنَا :ہم نے گواہی دی
وَغَرَّتْهُمُ :اور (یہ کہ) ان کو دھوکہ دیا
وَشَهِدُوْا :اور وہ گواہی دیں گے
اَنَّهُمْ :کہ وہ
كٰفِرِيْنَ :کفر کرنے والے
اَنْ :کہ
رَّبُّكَ :آپؐ کا رب
بِظُلْمٍ :ظلم سے
اَهْلُهَا :اس کے لوگ
وَلِكُلٍّ :اور ہر ایک کے لیے
مِّمَّا :اس میں سے جو
وَمَا رَبُّكَ :اور آپؐ کا رب نہیں ہے
عَمَّا :اس سے جو
وَرَبُّكَ الْغَنِیُّ :اور آپؐ کا بے نیاز رب
اِنْ :اگر
يُّذْهِبْكُمْ :تو لے جائے تم لوگوں کو
مِّنْۢ بَعْدِكُمْ :تمہارے بعد
يَشَآءُ :وہ چاہے
اَنْشَاَكُمْ :اس نے پیدا کیا تم کو
اِنَّ :بے شک
لَاٰتٍ :یقیناً آنے والی ہے
بِمُعْجِزِيْنَ :عاجز کرنے والے

عَلَيْكُمْ :تم پر
وَيُنْذِرُوْنَكُمْ :اور خبردار کرتے تھے تم کو
قَالُوْا :وہ کہیں گے
عَلٰٓى اَنْفُسِنَا :اپنی جانوں کے خلاف
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا :دنیوی زندگی نے
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ :اپنی جانوں کے خلاف
كَانُوْا :تھے
ذٰلِكَ :یہ
لَّمْ يَكُنْ :تھا ہی نہیں
مُهْلِكَ الْقُرٰى :بستیوں کو ہلاک کرنے والا
وَّ :اس حال میں کہ
غٰفِلُوْنَ :غافل ہوں
دَرَجٰتٌ :درجے ہیں
عَمِلُوْا :انہوں نے عمل کیے
بِغَافِلٍ :غافل
يَعْمَلُوْنَ :یہ لوگ عمل کرتے ہیں
ذُو الرَّحْمَةِ :رحمت والا ہے
يَّشَاْ :وہ چاہے
وَيَسْتَخْلِفْ :اور جانشین بنائے
مَّا :جس کو
كَمَآ :جیسے کہ
مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ :ایک دوسری قوم کی اولاد سے
مَا تُوْعَدُوْنَ: جس چیز سے تم کو ڈرایا جاتا ہے وہ
وَّمَآ اَنْتُمْ :اور تم لوگ نہیں ہو
قُلْ :آپؐ کہیے

(باقی صفحہ 84 پر)

پُرخلوص عمل کی عظمت اور تاثیر

مدرّس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ:

((بَیْنَمَا ثَلَاثَۃُ نَفَرٍ یَتَمَاشَوْنَ اَخَذَھُمُ الْمَطَرُ، فَمَالُوْا اِلٰی غَارٍ فِی الْجَبَلِ، فَانْحَطَّتْ عَلٰی فَمِ غَارِھِمْ صَخْرَۃٌ مِنَ الْجَبَلِ فَاَطْبَقَتْ عَلَیْھِمْ، فَقَالَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ: اُنْظُرُوْا اَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْھَا لِلّٰہِ صَالِحَۃً، فَادْعُوا اللّٰہَ بِھَا، لَعَلَّہٗ یُفَرِّجُھَا۔

فَقَالَ اَحَدُھُمْ : اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ کَانَ لِیْ وَالِدَانِ شَیْخَانِ کَبِیْرَانِ، وَلِیَ صِبْیَۃٌ صِغَارٌ، کُنْتُ اَرْعٰی عَلَیْھِمْ، فَاِذَا رُحْتُ عَلَیْھِمْ فَحَلَبْتُ، بَدَاْتُ بِوَالِدَیَّ اَسْقِیْھِمَا قَبْلَ وَلَدِیْ، وَاِنَّہٗ نَاَیٰ بِیَ الشَّجَرُ یَوْمًا، فَمَا اَتَیْتُ حَتّٰی اَمْسَیْتُ، فَوَجَدْتُھُمَا قَدْ نَامَا، فَحَلَبْتُ کَمَا کُنْتُ اَحْلِبُ، فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُءُوْسِھِمَا، اَکْرَہُ اَنْ اُوْقِظَھُمَا مِنْ نَوْمِھِمَا، وَاَکْرَہُ اَنْ اَبْدَاَ بِالصِّبْیَۃِ قَبْلَھُمَا، وَالصِّبْیَۃُ یَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَیَّ، فَلَمْ یَزَلْ ذٰلِکَ دَاْبِیْ وَدَاْبَھُمْ، حَتّٰی طَلَعَ الْفَجْرُ، فَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ وَجْھِکَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَۃً نَرَی مِنْھَا السَّمَآءَ، فَفَرَّجَ اللّٰہُ لَھُمْ فُرْجَۃً حَتّٰی یَرَوْنَ مِنْھَا السَّمَاءَ۔

وَقَالَ الثَّانِیْ : اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ کَانَتْ لِیَ ابْنَۃُ عَمٍّ اُحِبُّھَا کَاَشَدِّ مَا یُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ، فَطَلَبْتُ اِلَیْھَا نَفْسَھَا فَاَبَتْ، حَتّٰی آتِیَھَا بِمِائَۃِ دِیْنَارٍ، فَسَعَیْتُ حَتّٰی جَمَعْتُ مِائَۃَ دِیْنَارٍ، فَلَقِیْتُھَا بِھَا، فَلَمَّا قَعَدْتُ بَیْنَ رِجْلَیْھَا قَالَتْ : یَا عَبْدَ اللّٰہِ اِتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ اِلَّا بِحَقِّہٖ، فَقُمْتُ عَنْھَا، اَللّٰھُمَّ فَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ وَجْھِکَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْھَا، فَفَرَجَ لَھُمْ فُرْجَۃً ۔

وَقَالَ الْآخَرُ :اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ کُنْتُ اسْتَاْجَرْتُ اَجِیْرًا بِفَرَقِ اَرُزٍّ، فَلَمَّا قَضٰی عَمَلَہٗ قَالَ:اَعْطِنِیْ حَقِّیْ، فَعَرَضْتُ عَلَیْہِ حَقَّہٗ، فَتَرَکَہٗ وَرَغِبَ عَنْہُ، فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُہٗ حَتّٰی جَمَعْتُ مِنْہُ بَقَرًا وَرَاعِیَھَا، فَجَاءَ نِیْ فَقَالَ :اِتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تَظْلِمْنِیْ وَاَعْطِنِیْ حَقِّیْ، فَقُلْتُ :اِذْھَبْ اِلٰی تِلْکَ الْبَقَرِ وَرَاعِیْھَا، فَقَالَ:اِتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تَھْزَاْ بِیْ، فَقُلْتُ :اِنِّیْ لَا اَھْزَاُ بِکَ، فَخُذْ تِلْکَ الْبَقَرَ وَرَاعِیَھَا ، فَاَخَذَہٗ فَانْطَلَقَ بِھَا، فَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ وَجْھِکَ فَافْرُجْ مَا

بَقِیَ، فَفَرَّجَ اللّٰہُ عَنْھُمْ)) (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین آدمی کہیں چلے جارہے تھے کہ ان کو بارش نے آلیا تو وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے۔ پہاڑ سے غار کے منہ پر ایک پتھر کی چٹان آ پڑی جس نے غار کو بند کر دیا۔ تینوں میں سے ایک نے دوسروں سے کہا کہ اپنے ان نیک اعمال پر نظر ڈالو جو خاص طور پر اللہ کے لیے کیے ہوں' پھر اس عمل کے وسیلہ سے اللہ سے دُعا مانگو' امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس غار کے دہانے کو کھول دے گا۔

ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے بچے تھے۔ میں بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا تا کہ ان کا دودھ ان سب کو پلاؤں۔ جب شام ہو جاتی تو میں گھر آتا' دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا' پھر بچوں کو دیتا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چراگاہ کے درخت مجھ کو دور لے گئے (یعنی بکریوں کو چراتا چراتا میں دور نکل گیا) اور وقت پر گھر واپس نہ آسکا' یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ماں باپ دونوں سو گئے ہیں۔ میں نے حسب معمول دودھ دوہا' پھر دودھ کا برتن لے کر ماں باپ کے پاس پہنچا اور ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ مجھ کو ان کا جگانا بھی برا معلوم ہوا اور یہ بھی کہ ماں باپ سے پہلے بچوں کو دودھ پلا دوں۔ بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور چلاتے تھے اور میں دودھ لیے کھڑا رہا۔ صبح تک یہی کیفیت رہی (یعنی میں دودھ لیے کھڑا رہا اور بچے روتے رہے اور ماں باپ پڑے سوتے رہے۔) اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضامندی اور خوشنودی کے لیے کیا تھا تو اس غار کے دہانے کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غار کے دہانے کو اتنا کھول دیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی جس سے میں انتہائی محبت رکھتا تھا' ایسی محبت جیسی کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ میں نے اس سے ہم بستری کی خواہش ظاہر کی تو اس نے کہا کہ جب تک سو اشرفی نہ دو گے ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں نے کوشش شروع کی اور سو اشرفیاں جمع کر لیں اور ان کو لے کر میں اس کے پاس پہنچا۔ پھر جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماع کے لیے) تو اس نے کہا کہ اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مُہر کو ناحق نہ توڑ! میں اللہ کے خوف سے فوراً اسے چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری رضامندی اور خوشنودی کے لیے تھا تو اس پتھر کو ہٹا دے اور ہمارے لیے راستہ کھول دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹا دیا۔

تیسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک شخص کو ایک فرق (پیمانہ) چاول کے معاوضہ پر مزدوری پر لگایا تھا' جب وہ شخص اپنا کام ختم کر چکا تو کہنے لگا میری مزدوری مجھے دو۔ میں اس کی مزدوری دینے لگا تو وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا اور پھر اپنے حق کو لینے کے لیے نہ آیا۔ میں نے اس کی مزدوری کے

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الادب ' باب اجابة دعاء من بر والدیه ۔ وصحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب قصة اصحاب الغار الثلاثة والتوسل بصالح الاعمال۔

چاولوں سے کاشت شروع کر دی اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا' یہاں تک کہ ان چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل اور ان کے چرواہے جمع کر لیے۔ پھر ایک مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا: اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر' اور میرا حق میرے حوالہ کر۔ میں نے کہا ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا (کہ وہ تیرا حق ہے)۔ اس نے کہا: اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا' ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا' یہ سب تیرے ہی ہیں۔ چنانچہ اس نے ان سب کو جمع کیا اور لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری خوشنودی اور رضامندی کے لیے تھا' تو تو اس غار کے دہانے کو مکمل کھول دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غار کے دہانے کو مکمل طور پر کھول دیا۔''

یہ ایک واقعہ ہے جو یقیناً کسی پہلے نبی کے امتیوں کے ساتھ پیش آیا۔ یہ تین آدمی تھے جو کہیں جا رہے تھے۔ اچانک بارش آ گئی اور تینوں اشخاص نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی۔ معاً پہاڑ کا بڑا پتھر غار کے اوپر آ گرا جس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ تینوں غار کے اندر محبوس ہو گئے اور صورتِ حال یہ بنی کہ وہ کسی طرح غار کا منہ نہ کھول سکتے تھے' لہٰذا ان کے وہاں سے نکلنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس بے بسی کے عالم میں ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنے کسی اس عمل کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے جو اس نے خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو۔ اُمید ہے کہ اضطراب کی اس حالت میں اللہ تعالیٰ ہماری مشکل کو آسان کر دے گا۔ چنانچہ ان میں سے پہلے کی دعا ماں باپ کے احترام اور محبت کی اعلیٰ مثال ہے کہ اُس نے اپنے بچوں کو بھوکے روتے ہوئے چھوڑا اور سوتے ہوئے ماں باپ کے سرہانے دودھ کا برتن لیے ہوئے کھڑا رہا' یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اس کا یہ عمل محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے تھا۔ اُس نے دعا کی تو پتھر غار کے منہ سے تھوڑا سا ہٹ گیا۔ دوسرے نے گناہ کے کام پر ہر طرح کی سہولت پائی مگر محض اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے معصیت کے ارتکاب سے باز رہا اور اپنی شدید خواہش نفس کو دبا دیا۔ اُس نے اپنے اس عمل کے واسطے سے اللہ سے دعا کی تو پتھر تھوڑا سا اور ہٹ گیا۔ تیسرے آدمی کے ذمے کسی شخص کی مزدوری رہ گئی اور وہ چھوڑ کر چلا گیا اور واپس نہ آیا۔ اُس آدمی نے اس کی مزدوری کے پیسوں کو کام میں لگایا۔ کام میں برکت ہوئی اور اس شخص کے پاس جانوروں کا ریوڑ جمع ہو گیا۔ مزدور ایک دن مزدوری لینے آیا تو اس شخص نے اسے کہا کہ یہ ریوڑ تمہارا ہے' لے جاؤ۔ اس نے کہا میرے ساتھ مذاق نہ کرو۔ لیکن اسے کہا گیا کہ یہ مذاق نہیں' بلکہ سنجیدہ اور سچی بات ہے۔ چنانچہ اس کو ریوڑ دے دیا گیا۔ اس تیسرے آدمی نے اس پُرخلوصِ عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو پورا پتھر ہٹ گیا اور ان تینوں کو نجات مل گئی۔

حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث سے کئی طرح کی راہنمائی ملتی ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت اپنے پرخلوص عمل کا واسطہ دینا درست ہے۔ کسی دوسرے زندہ یا فوت شدہ نیک آدمی کے اچھے اعمال کا واسطہ دینا مفید نہیں۔ ہر شخص کو اُس کا اپنا نیک عمل ہی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ ﴾ (البقرۃ: ۱۴۱) ''جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے واسطے ہے جو کچھ تم نے کیا وہ تمہارے واسطے ہے۔''

(۲) ماں باپ کے ساتھ اعلیٰ درجے کا سلوک اور ان کو دوسرے ہر کسی پر ترجیح دینا' اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے اور ماں باپ کی خیر خواہی بڑے اجر کی بات ہے۔ (باقی صفحہ 87 پر)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانونِ اِمہال

پروفیسر توقیر عالم فلاحی ☆

دنیائے آب وگِل میں مجموعی طور پر دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک قسم ان مبارک افراد کی ہے جو اپنے پروردگار کی معرفت رکھتے ہیں اور اسی کے ہوکر رہنے کا عزم کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ موت کے بعد کی زندگی میں ان کے جذبہ وعمل کو اجرِ عظیم کی شکل میں قبولیت کا درجہ دیتا ہے اور ایسے ہی لوگوں پر اس دنیا میں بھی اس کا قانونِ انعام واکرام لاگو ہوتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو اپنے خالق ومالک کی معرفت سے محروم ہیں اور زندگی کی باگیں اپنے نفس کے حوالے کر کے دنیا میں بڑی بے فکری کے ساتھ جیتے ہیں۔ موت کے بعد کی زندگی میں ایسے محروم القسمت افراد کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی نظرِ عنایت نہیں ہوگی اور اس دنیا کے اندر بھی ان کو ذلت ومحرومی سے سابقہ پڑتا ہے۔

مذکورِ اوّل گروہ انسانی میں ایسے افراد بھی ہیں جو باوجودیکہ متقی وپرہیزگار ہیں لیکن ان کی زندگی میں آرام وراحت نصیب نہیں ہے اور مصائب وشدائد ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ آزمائشوں کی بھٹیوں میں رکھ کر ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے اور اپنا ساتھی ورفیق بنالیتا ہے۔ طبقہ ثانی کے افراد میں کفروشرک کی غلاظتوں میں ملوث اور شروفساد کے علمبردار لوگ ہیں' جن کی دنیا میں بہت بڑی تعداد ہے' جو مال ودولت کے لحاظ سے بہت بڑھے ہوتے ہیں' اقتدار ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور نفری قوت کے بھی وہ مالک ہوتے ہیں۔

مال وزر کے پجاریوں' منصب واقتدار کے متوالوں اور بغاوت وسرکشی کے ان نقیبوں کے تئیں نہ تو یہ غلط فہمی ہونی چاہیے کہ یہ خوشگوار حالات اللہ کی رضا اور خوشنودی کا ثبوت اور مظہر ہیں اور نہ ہی یہ غلط فہمی ہونی چاہیے کہ' نعوذ باللہ' اللہ تعالیٰ اپنے گھر میں سرکشوں' جابروں اور باغیوں کو پنپتے ہوئے دیکھ رہا ہے' لیکن وہ ان کے خلاف کارروائی کرنے میں متذبذب ہے' یا یہ کہ کسی قسم کی مجبوری اس کی کارروائی میں مانع ومزاحم ہے۔ حالانکہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات صداقت پر مبنی نہیں ہے۔ یقیناً یہ بات درست ہے کہ ایک انسان اللہ کی زمین پر رہتا ہے اور اسی کی مہیا کی گئی آسمانی چھت کے نیچے محفوظ ومامون ہے اور اس کے علاوہ اللہ کی ودیعت کردہ دوسری تمام نعمتوں سے بھی وہ بہرہ ور ہو رہا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی شکرگزاری میں گزار دیتا' لیکن وہ کفروشرک اور بغاوت وسرکشی کو اپنا شیوہ بنا کر اپنی زندگی گزارتا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ دینیات (سنی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ towqueer@yahoo.in

اس کے عتاب سے بچا ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ اللہ کے فیصلۂ عتاب وعذاب کے لیے کوئی مجبوری حائل ہے' بلکہ وہ الملک' المہیمن' العزیز' الجبار اور المتکبّر ہے(۱)۔ آسمان وزمین کی ساری چیزیں اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں(۲)۔ آسمان وزمین کے تمام مخفی احوال کا اسے علم ہے(۳)۔ وہ اپنے بندوں کے تمام کھلے چھپے سے پوری طرح باخبر ہے(۴)۔ وہ اپنے بندوں کے معاملات پر پوری طرح قادر اور ان کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔(۵) آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے(۶) اور آسمان وزمین اور ان کے مابین تمام موجودات ومخلوقات کا مالک ومربّی اور بادشاہ حقیقی بھی وہی ہے(۷)۔ وہ عرش پر متمکّن ہے اور اپنی ایک ایک مخلوق کی ضرورت' حالت اور کیفیت سے پوری طرح باخبر ہو کر تدبیر سلطنت کے فرائض انجام دے رہا ہے(۸)۔

وہ جس طرح چاہتا ہے' جب چاہتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے' راہیں ہموار کر دیتا ہے اور جس کے لیے جب چاہتا ہے راہیں مسدود کر دیتا ہے۔ ساری کائنات اس کی جاگیر وسلطنت ہے اور وہ سلطنت کا مکمل طور پر مالک وحاکم ہے۔ دنیا کے سارے ذرائع ووسائل اور تدابیر وطریقے مل کر بھی کسی نقصان کو ٹالنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں' اور دنیا کے سارے لوگ' ساری قوت اور پوری دنیا کے بااقتدار لوگ اگر کسی کو کسی نفع سے محروم کرنا چاہیں تو یہ بھی ناممکن ہے۔(۹) اللہ اپنا فیصلہ نافذ کرنے کے لیے کسی کا محتاج نہیں اور اس کا ہر فیصلہ کُن فَیکون(۱۰) کے مطابق ہوتا ہے۔ آسمان وزمین کی مخلوق اس کا لشکر ہے اور اپنے جس لشکر کو جس وقت چاہے استعمال کر کے کسی فرد' کسی جماعت' کسی قوم اور کسی ملک کا صفایا کر دے' لیکن وہ حکیم بھی ہے' اس کا ہر کام حکمت سے پُر ہوتا ہے۔ یہ ارشادِ ربانی اللہ تعالیٰ کے قہر وجلال اور اس کی حکمت ودانائی کی پوری تصویر کشی کرتا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷﴾ (الفتح)

''آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں' اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔''

اللہ ربّ العزت کی شوکت وحشمت' اس کے قہر وجلال اور اس کی پوری کائنات پر بادشاہی واقتدار کے پیش نظر اس غلط فہمی کی قلعی کھل جاتی ہے کہ اللہ کے سرکشوں اور باغیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے میں کسی بھی طرح کی رکاوٹ یا مجبوری حائل ہے۔ چوں کہ وہ حکیم ہے اور وہ اچھی طرح باخبر ہے کہ کون سا فیصلہ کس بندے کے لیے کب کرنا ہے' چنانچہ وہ اپنی حکمت کے خلافِ شان کوئی کام نہیں کر سکتا۔

دوسرے یہ کہ وہ رحمان ورحیم ہے۔ یہ اس کی رحمت ہی کا تو مظہر ہے کہ سرکش بندوں کو بھی اس دارِ فانی میں ساری سہولتیں میسر کرتا ہے۔ اس کی رحمت کا ہی یہ درخشاں ثبوت ہے کہ پچاس ساٹھ سالہ زندگی میں ہزاروں غلطیاں اور گناہ صادر ہوتے ہیں اور اسی کے دیے ہوئے اَعضاء وجوارح اس کی تعلیمات وہدایات سے بغاوت میں استعمال ہوتے ہیں' لیکن قادرِ مطلق خدا صرف اس بنا پر اس کے اَعضاء اور جوارح کو شل نہیں کر دیتا' بینائی ختم نہیں کر دیتا' سماعت سے محروم نہیں کر دیتا' چلنے سے معذور نہیں بنا دیتا' کھانے پینے اور ہنسنے بولنے سے روک نہیں دیتا' کسی طوفان کے ذریعے زندگی کا ورق بند نہیں کر دیتا یا زمین کے نیچے دھنسا نہیں دیتا۔ اس کی رحمت کا ایک پہلو اور بھی ہے کہ ایک غلطی پر صرف اسی غلطی کا گناہ لکھا جاتا ہے اور ایسا شخص صرف اسی کی سزا کا مکلّف ہوتا ہے'

اور ایک اچھائی پر کم از کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ سات سو گنا بلکہ اخلاص اور حالات کے لحاظ سے اور بڑھا دینے کا وعدہ ہوتا ہے۔ یہ اس کی رحمت کا ہی جلوہ ہے کہ زندگی میں اگر کسی کو ستّر (۷۰) سال ملے ہیں اور وہ مسلسل اپنے آقا و مربّی سے بغاوت کر رہا ہے' زندگی کے آخری لمحات میں بھی بشرطیکہ وہ موت کو نہیں دیکھ رہا ہے یا وہ بستر مرگ پر نہیں ہے' خلوصِ دل کے ساتھ تائب ہو جاتا ہے تو اللہ ربّ العزت اس کے تائب ہونے سے پہلے کی ساری بغاوتوں پر خطِ عفو پھیر دیتا ہے۔

اللہ ربّ قدیر کی رحمت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ سالہا سال اور مدتِ دراز تک مہلت دیتا چلا جاتا ہے۔ ایک ماں سے ستّر گنا محبت رکھنے والی ذات کے یہی شایانِ شان ہے کہ وہ مہلت پر مہلت دیتا چلا جائے۔ اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے (۱۱)۔ اس کا دامن رحمت بہت وسیع ہے (۱۲)۔ یہ اس کی شانِ رحیمی کے بالکل خلاف ہے کہ کوئی گناہ کرے' سرکشی و بغاوت کا رویہ اختیار کرے' یہاں تک کہ کفر و شرک کا داعی بن جائے اور فوراً اس پر گرفت کر لے۔ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ امہال پر ناطق ثبوت ہے:

﴿وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝۱۳۳﴾ (الانعام)

''اور تمہارا رب بے نیاز ہے اور مہربانی اس کا شیوہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ختم کر دے اور تمہاری جگہ دوسرے جن لوگوں کو چاہے لے آئے جس طرح اس نے تمہیں دوسرے لوگوں کی نسل سے اٹھایا ہے۔''

اُس کی شانِ رحمت اور غفاری کا تقاضا یہ ہے کہ ایک متعین مدت تک سرکشوں اور باغیوں کو مہلت دے۔ قرآن مجید میں اللہ ربّ العزت کی یہ حکمت و تدبیر اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝۵۸﴾ (الکھف)

''اور تیرا رب بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔ اگر وہ ان کے کرتوتوں پر انھیں پکڑنا چاہتا تو جلد ہی عذاب بھیج دیتا' مگر ان کے لیے وعدے کا ایک وقت مقرر ہے اور اس سے بچ کر بھاگ نکلنے کی یہ کوئی راہ نہ پائیں گے۔''

وقتِ موعود تک مہلت دینا اللہ ربّ العزت کی سنت ہے۔ ہاں اگر کوئی حد سے بڑھ جائے اور وقتِ موعود آ جائے تو پوری دنیا مل کر بھی اس کو ہلاکت سے بچا نہیں سکتی۔ ذیل کی آیت کریمہ میں یہی حقیقت ناطق ہے:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۶۱﴾ (النحل)

''اور اگر اللہ لوگوں کو ان کی زیادتی پر فوراً ہی پکڑ لیا کرتا تو روئے زمین پر کسی متنفّس کو نہ چھوڑتا' لیکن وہ سب کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب وہ وقت آ جاتا ہے تو اس سے کوئی ایک گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔''

مذکورہ بالا قرآنی تعلیمات اس حقیقت پر ثبوت ہیں کہ اللہ ربّ العزت اپنی رحمت کے تحت متعین وقت تک

لوگوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ اپنی روش پر اصرار کرنے کے بجائے توبہ و استغفار کے ذریعے غفور و رحیم رب کی رحمت و مغفرت کا وہ مستحق ہو جائے۔

ایسے منکرینِ حق یا باغیانِ خدا جو کسی قیمت پر اپنی عقل و شعور کا استعمال نہیں کرتے' ضد اور ہٹ دھرمی ان کا شیوہ و شعار بن جاتا ہے۔ ایسے لوگ اگرچہ دنیوی زندگی بسر کرتے ہیں' انواع و اقسام کے کھانے ان کے دسترخوانوں کی زینت بنتے ہیں اور ہر لحاظ سے ان کا معیارِ زندگی بلند معلوم ہوتا ہے' لیکن یہ صداقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اللہ ربّ العزت ایسے لوگوں کی رسّی دراز کرتا ہے تاکہ وہ سرکشی و بغاوت میں اندھے بنے رہیں (۱۳) یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے' قوتِ سماعت سلب کر لی جاتی ہے اور نگاہوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ (۱۴) گویا ان سے توفیقِ ہدایت چھن جاتی ہے اور بغاوت پر ضد و اصرار کی بنا پر اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو مہلت پر مہلت دیے چلا جاتا ہے' صرف اس لیے کہ وہ گناہ کے اعتبار سے بڑھ جائیں اور ان کے اعمال ان کی مکمل تباہی و بربادی پر حجت بن جائیں۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں ایسے دنیا پرستوں اور حُبِّ مال و جاہ کے شیدائیوں کے لیے اللہ ربّ العزت کی منصوبہ بندی ظاہر و باہر ہے:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۷۸﴾ (آل عمران)

''کفار یہ ہرگز گمان نہ کریں کہ جو کچھ ہم انہیں ڈھیل دے رہے ہیں۔ وہ ان کے لیے خیر ہے۔ ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ گناہ کے اعتبار سے اور بڑھ جائیں' اور ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

یہ ممکن ہے بلکہ اللہ کی حکمت اور منصوبے کے تحت ناگزیر ہے کہ کفار مال و اولاد کے لحاظ سے بڑھے ہوئے ہوں۔ لیکن مال و اولاد کی اس کثرت میں ان کے لیے اللہ کی طرف سے خیر کا پہلو قطعاً نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے ہٹ دھرم کفار کو جن سے ان کے کرتوتوں کی بنا پر توفیق ہدایت بھی چھین لی گئی ہے' دنیوی جاہ و جلال اور مال و اولاد کے لحاظ سے بڑھاوا محض اس لیے دیتا ہے کہ وہ ان میں الجھے رہیں' فکرمندی' اضطراب اور بے چینی ان کا لازمۂ حیات بن جائے' اور اسی حال میں ان کی جانیں نکلیں تاکہ ہمیشگی کے عذاب کا مزہ چکھیں۔ ایسے کفار کی خوشحالی میں مصلحتِ خداوندی کارفرما ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ کیجیے:

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۵۵﴾ (التوبۃ)

''ان کے مال و اولاد (کی کثرت) آپ کو حیرت زدہ نہ کریں۔ اللہ ربّ العزت تو چاہتا ہے کہ اس مال اور اولاد کے ذریعے انہیں دنیا کی زندگی میں عذاب دے' اور ان کی جانیں نکلیں اس حال میں کہ وہ کفر پر قائم رہیں۔''

دنیوی راحت و آسائش ایک عام کافر کے لیے بہرحال اللہ کی جانب سے نوازش نہیں ہو سکتی' کجا کہ وہ اپنے کفر و شرک اور عصیان و بغاوت کی زندگی پر مصر ہو اور ضد و ہٹ دھرمی کے حصار میں رہتے ہوئے قولی اور عملی

دونوں طرح سے اللہ کے دین اور اس کے علمبرداروں کے خلاف نبرد آزما ہو۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے کہ دھیرے دھیرے وہ تباہی و بربادی کے گڑھے کی طرف لائے جا رہے ہیں۔ مال واولاد اور دنیوی جاہ ومنصب تباہی و بربادی کا سامان ہیں۔ ان کی مہلت کے سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی حکمت وتدبیر کو ایک جگہ ان الفاظ میں واضح فرماتا ہے:

﴿فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِیْ لَھُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾﴾ (القلم)

''پس (اے نبی ﷺ!) آپ اس کلام کے جھٹلانے والوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ ہم ایسے طریقہ سے ان کو بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اور میں ان کی رسی دراز کر رہا ہوں' بلاشبہ میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔''

اس دنیائے فانی میں ایک قسم کے تو وہ لوگ ہیں جو اللہ کی مرضی اور اس کے رسول ﷺ کے طریقہ کو حرزِ جاں بنا کر اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ اس حالت میں ان کو مال و دولت' اولاد واحفاد' منصب واقتدار اور عزت وشہرت کی شکل میں یہاں جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ کی نوازش وکرم ہے۔ رحمٰن ورحیم خدا صراطِ مستقیم پر چلنے کے نتیجے میں اپنے انعام یافتہ بندوں کو نوازتا رہا ہے۔ ہاں اگر دولت وثروت' جاہ واقتدار اور شان وشوکت اللہ کے عادی مجرموں' نافرمانوں اور باغیوں کو ملتی رہی ہے تو اس میں ان کے لیے خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اللہ ایک مدت تک مہلت دیتا ہے' پھر وہ ایسے لوگوں سے اپنی ہدایت کی توفیق چھین لیتا ہے اور گناہوں میں ملوث ہونے کے مزید مواقع فراہم کرتا ہے تاکہ خود ان کے اعمال ان کی تباہی و بربادی کے لیے حجت وسند بن جائیں۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) اللہ ربّ العزت کی یہ صفات یکجا ملاحظہ فرمائیں' الحشر:۲۳۔

(۲) الرعد:۱۵' النحل:۴۹' الحج:۱

(۳) الحجرات:۱۸

(۴) البقرۃ:۲۸۴

(۵) الانعام:۱۸

(۶) الانعام:۱۴' فاطر:۱

(۷) المائدۃ:۱۷'۱۸

(۸) یونس:۳

(۹) یونس:۱۰۷

(۱۰) یٰسین:۸۲

(۱۱) الانعام:۱۲'۵۴

(۱۲) الانعام:۱۴۷

(۱۳) البقرۃ:۱۵

(۱۴) البقرۃ:۷

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

حکمت: یونانی وایمانی

محمد رشید ارشد☆

انسانی شعور اپنی مجموعی تشکیل پر قادر ہونے کے لیے دو متصادم قوتوں کی رزم گاہ بنا ہوا ہے' جن میں سے ایک عقلی شعور ہے اور دوسرا مذہبی۔ ان دونوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ شعور کی دیگر قوتوں کو ان کے تابع ہونا چاہیے اور ان کے خلقی یا وضعی تناظر کو قبول کرنا چاہیے۔ اس جھگڑے میں کہیں عقل غالب آ جاتی ہے اور کہیں مذہبی شعور۔ یا یوں کہہ لیں کہ شعور کی اقلیم عملاً دو حصوں میں بٹ چکی ہے' ایک پر عقلی شعور حاکم ہے اور دوسرے پر مذہبی۔ شعور میں موجود تمام حقائق دراصل اس کے انفعالی احوال ہیں۔ مجموعی شعور جب کسی تصورِ حقیقت کو اپنے باہر سے قبول کر کے ایک کُلی تناظر بناتا ہے اور پھر اس تناظر سے اشیاء کو اپنا موضوع بناتا ہے تو اس اندازِ نظر کو حکمت اور اس کے نتائج کو حقائق کہتے ہیں۔ عقل کی نسبت سے حکمت محض فلسفہ ہے جس میں عقل اپنے سے باہر کی پابندی قبول کیے بغیر وجود اور کائنات کی حقیقت اور ان کے اصول کی دریافت کا ذمہ لیتی ہے اور اس کام کے لیے خود کو کافی سمجھتی ہے۔ ''حکمتِ ایمانیاں'' کی ترکیب ہی سے یہ ظاہر ہے کہ یہ حکمت وحی کی سرپرستی میں پروان چڑھتی ہے اور اسی کے بتائے ہوئے وجودِ حقیقت سے خود کو شعور کی تمام صلاحیتوں (faculties) کے یکسو اجتماع کے ساتھ ہم آہنگ رکھنے کی سعی کرتی ہے۔

کلیدی الفاظ: حکمت' حقیقت' وجود' شعور' عقل۔

حقیقت یعنی تمام موجودات اور معقولات کی اصلِ واحد کے طور پر ان دونوں دنیاؤں پر تصرف کرنے والا وہ مستقل امر' جو ان سے ماورا بھی ہے' شعور کا خلقی موضوع ہے۔ شعور کے تجزیے کے نتیجے میں اس کی جو انواع محکم اور واضح امتیاز کے ساتھ موجود نظر آتی ہیں ان سب کا اندازِ عمل اور نتائجِ عمل ایک دوسرے سے ممتاز اور کہیں کہیں متصادم ہونے کے باوجود جس جوہرِ شعور (substance of consciousness) کے یکساں طور پر حامل ہیں' وہ جوہر حقیقت کے ماقبل تجربی idea سے مناسبت رکھنے والی قوت کے سوا کچھ اور نہیں۔ علم' فکر' خیال اور احساس کی تشکیل کے مراحل آپس میں چاہے پوری طرح نہ ملتے ہوں' لیکن ان کے درمیان جو چیز واحد محرک اور تنہا مطلوب کے طور پر بہرحال حاضر اور برسرِ عمل رہتی ہے وہ یہی حقیقت کا فطری تصور ہے جس کی اساس پر شعور خود اپنا شعور حاصل کرتا ہے۔ شعور کی تمام انواع ہمیشہ ایک دوسرے سے الگ نہیں رہتیں بلکہ ان کی پیش قدمی کے دوران میں ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں یہ اپنے امتیازات کے حدود کو عبور کر کے ایک وحدت میں ڈھل جاتی ہیں۔ یہ وحدت مجموعی شعور ہے جو صورت کو نہیں بلکہ حقیقت کو اپنا موضوع بناتا ہے۔ شعور اپنی اس

☆ لیکچرر' شعبہ فلسفہ' جامعہ پنجاب' لاہور

ہیئتِ مجموعی میں کامل انفعال سے عبارت ہے۔ یعنی یہ تفکّر و تخیّل وغیرہ کی معروف فعلیت سے نکل کر اپنی مطلوب حقیقت کے ساتھ اثبات کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ اور یہ بات کوئی مفروضہ نہیں ہے بلکہ شعور کی ساخت کا کوئی بھی تجزیہ اس واقعے پر شاہد ہے کہ شعور صورتوں کے درمیان ایک فعلیت (activity) اختیار کیے رکھتا ہے اور حقیقت کی نسبت سے انفعال (passivity) کو اپنا حال بنالیتا ہے۔ شعور میں موجود تمام حقائق دراصل اس کے انفعالی احوال ہی ہیں۔ تو یہی مجموعی شعور جب کسی تصورِ حقیقت کو اپنے باہر سے قبول کر کے ایک کلی تناظر بناتا ہے اور پھر اس تناظر سے اشیاء کو اپنا موضوع بناتا ہے تو اس اندازِ نظر کو حکمت اور اس کے نتائج کو حقائق کہتے ہیں۔ (۱) یعنی محسوسات و معقولات میں معنی پیدا کرنے والا ایک ایسا نظام جو شعور کا بنایا ہوا نہیں بلکہ قبول کیا ہوا ہے۔ اس میں مجموعی شعور اگر عقل کی سرکردگی میں کام کرے تو عقلی مثالیت (Rational Idealism) پیدا ہوتی ہے جس کی بہترین اور مکمل ترین مثال یونانی فلسفہ ہے۔ اور اگر مذہبی یا اخلاقی شعور غالب آجائے تو اس سے ایمان یا اعتقاد پیدا ہوتا ہے جسے ایک مشہور شعر میں ''حکمتِ ایمانیاں'' کا عنوان دیا گیا ہے۔

چند خوانی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں!

''تو کب تک یونانیوں کی حکمت پڑھتا رہے گا' اہلِ ایمان کی حکمت کا بھی مطالعہ کر!''

فلسفے یا شعور کی تاریخ جس جدلیاتی نہج پر چل رہی ہے مندرجہ بالا شعر میں اس کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ انسانی شعور دراصل اپنی مجموعی تشکیل پر قادر ہونے کے لیے دو متصادم قوتوں کی رزم گاہ بنا ہوا ہے' جن میں سے ایک عقلی شعور ہے اور دوسرا مذہبی۔ ان دونوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ شعور کی دیگر قوتوں کو ان کے تابع ہونا چاہیے اور ان کے خلقی یا وضعی تناظر کو قبول کرنا چاہیے۔ اس جھگڑے میں کہیں عقل غالب آجاتی ہے اور کہیں مذہبی شعور۔ یا یوں کہہ لیں کہ شعور کی اقلیم عملاً دو حصوں میں بٹ چکی ہے' ایک پر عقلی شعور حاکم ہے اور دوسرے پر مذہبی شعور۔ شعر کا مقصود یہ ہے کہ عقلی شعور کی دنیا سے نکل آؤ اور ایمانی شعور کی اقلیم کے شہری بن جاؤ۔ اس مستقل تصادم کی نوعیت سمجھنے کے لیے ان دونوں میں سے ہر ایک کے بنیادی اصول کو جاننا مفید ہوگا۔

حکمتِ یونانی

عقل کی نسبت سے حکمت محض فلسفہ ہے جس میں عقل اپنے سے باہر کی پابندی قبول کیے بغیر وجود اور کائنات کی حقیقت اور ان کے اصول کی دریافت کا ذمہ لیتی ہے' اور اس کام کے لیے خود کو کافی سمجھتی ہے۔ عقل کے اس مزاج کو دیکھتے ہوئے حکمت کے تعریفی اجزاء یہ ہوں گے:

(۱) حکمت عقل کا فعل ہے جو وہ حقیقت تک رسائی کے لیے آزادی سے انجام دیتی ہے۔ (۲)

(۲) حکمت حقیقت کی جستجو نہیں ہے بلکہ دریافت ہے' اور اس دریافت کے ذریعے سے ضروری نہیں کہ ذاتِ حق کی معرفت بھی میسر آجائے۔ اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ از روئے عقل حقیقت کے اثبات کے لیے اس کا وجودِ ذہنی ہی کافی ہے۔ حقیقت وہ امر ہے جس کا فاعل بالارادہ ذات ہونا ضروری نہیں۔

(۳) حکمت شے پر تصورِ شے کا غلبہ ہے۔ عقل اپنے موضوع یعنی صورت کی تجرید ضرور کرتی ہے اور اس تجرید

کے نتیجے میں شے کی اپنی صورت اس کی صورتِ ذہنی کی محکوم ہو جاتی ہے۔اب شے کی تعریف شے فی الخارج کے حسی تجزیے کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کی ذہنی صورت سے وجود میں آتی ہے۔ شے کو معلوم بننے کے لیے جس تجرید کی ضرورت ہے وہ خارجی سے زیادہ ذہنی ہوتی ہے' اسی لیے اشیاء کی تعریف میں ان کی موجودیت' معلومیت سے مغلوب رہتی ہے۔خود چیزوں کے نام ہی ان پر ایسا جبر ہیں جس میں ان کے وجودی امکانات سے زیادہ ان کی علمی تعیین کو اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

(۴) عقل محض کا مسلّمہ ہے کہ حقیقتِ واحدہ کے اثبات کے لیے کثرت کے اصول پر قائم صورتوں کا انکار ضروری ہے۔ یہ بھی ایک پہلو ہے شے پر شعورِ شے کے غلبے کا۔ عقل چونکہ کثرت کا ایسا احاطہ نہیں کر سکتی کہ تمام افرادِ کثرت اپنے ہی اندر موجود کسی ایسی لڑی میں پروئے جا سکیں جو ان کے درمیان وجودی اور علمی انتشار نہ پیدا ہونے دے اور انہیں خواہ جدل و اختلاف کے انداز میں ہو مگر ایک کلیت میں داخل رکھے۔ اس لیے عقل ایک ماورائی اصلِ واحد کے تصور کو پورے عالمِ کثرت پر منطبق کرنا چاہتی ہے۔ یہ اصلِ واحد خواہ صرف referential ہو' مؤثر نہ ہو۔

(۵) یہاں حکمت تعقل کا نتیجہ ہے سماع کا نہیں' یعنی کہ یہ ذہن میں پھوٹنے والی نظر ہے' باہر سے ملنے والی خبر نہیں۔ عقل محض اپنے نتائجی تصور یعنی علم الشیء کی تشکیل و تکمیل میں اپنے غیر کی کمک تو لیتی ہے لیکن اس کی binding رہنمائی قبول نہیں کرتی۔ اس کا محرکِ علم اور نتیجہ علم دونوں اس کا اپنا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ تصدیقِ حسی کو بھی اپنے تصور کی صحت کے لیے شرط بنا لینے سے اِبا کرتی ہے۔

(۶) یونانی حکمت کے مطابق حقیقت یوں تو عقلی تجزیے کا نقطہ اتمام ہے یا پھر اپنے موضوع پر وارد ہو سکنے والے idea کی تشکیل ہے' مگر عقل کا تصورِ حقیقت' اشیاء سے پوری طرح ماخوذ نہیں ہوتا' بلکہ ایک ماورائی منطق کے نتیجے میں قائم ہو کر اشیاء کے لیے ایک مستقل حکم بنتا ہے۔ اگر کہیں حقیقت کی ذہنی تشکیل کے لیے شے کا تجزیہ ضروری بھی ہو جائے تو اس کی حیثیت عموماً ایک معاون عنصر کی سی ہوتی ہے جس سے ذہن کی تجربی استعداد کی تسکین کا سامان ہوتا ہے۔ (۳)

(۷) عقل کا ایک بنیادی تصور یہ بھی ہے کہ حقیقت علت العلل یا محرکِ اول ہے۔ Prime Cause ہوئے بغیر حقیقت کا ماقبلِ علم تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ یونانیوں میں نظامِ عالم ایک آرڈر (order) کی طرح ہے۔ اس آرڈر کا مبدأ (origin) ذہن میں ہو تو علت العلل ہے اور وجود میں ہو تو محرکِ اول۔ یہ مبدأ معروض (object) نہیں ہے بلکہ موضوع (subject) ہے' اسی وجہ سے یہ تصور ہی رہتا ہے ذہن کو correspond کرنے والا وجود نہیں بنتا۔ اس کی تاثیر فی الاشیاء کا واحد ذریعہ اور medium صرف عقل ہے' کوئی وجودی حرکت نہیں جو اسے عقل کے علاوہ کسی اور faculty of consciousness کے لیے لائقِ حصول اور قابلِ تصدیق بنا سکے۔

(۸) یونانی روایت کا ایک حصہ ایسا ہے جو عقل کی تصور سازی پر انحصار نہیں کرتا' بلکہ اس کے نزدیک عقل کا اصل ملکہ ایک ریاضیاتی منطق کی تشکیل ہے' جس کے ذریعے سے وہ حقیقت پر استدلال نہیں کرتی بلکہ اسے

اپنے باہر دریافت کرتی ہے۔ اس عقل کے لیے حقیقت ہندسی اور علامتی ہے' حسی اور لفظی (literal) نہیں۔ یونانیوں میں یہ وہ واحد رویّہ ہے جو حقیقت کو محض ذہنی نہیں مانتا اسے فی الخارج موجود سمجھتا ہے۔ تاہم یہ حقیقتِ موجود کوئی ذات نہیں ہے بس ایک امر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ امر ایک غیر ذہنی ماورائیت رکھتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس گروہ کے نزدیک وہ عقل جو حقائق کی حامل (container) ہے' انسانی نہیں ہے بلکہ کائناتی ہے۔ (۴)

(۹) عقل چاہے انسانی ہو یا مافوق الانسانی' دونوں میں حقیقت اپنے جوہر میں کائناتی زیادہ ہے' وجودیاتی اور ذہنی کم۔ یعنی حقیقت کا میدانِ عمل آفاقی ہے انفسی نہیں۔ اس سے نظمِ عالم کی تشکیل ہوتی ہے' نفسِ عالم کی نہیں۔ گو کہ افلاطون کے ہاں حقیقت کی ساخت اخلاقی ہے لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حقیقت کی تاثیر نفس پر مرتب نہیں ہوتی' تاہم اس معاملے میں افلاطون ایک تو اکیلا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا بھی جہانِ مثل (world of forms) ایک کائناتی آرڈر کی طرح ہے' انفسی ideas کی طرح نہیں۔

(۱۰) یونانی علامتیت (symbolism) میں حکمت کے اصل مواد یعنی حقیقت کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ حقیقت کائنات سے منتزع ہونے والا درست منطقی تصور ہے' یعنی ذہن کائنات کو مجموعۂ علامات بنا کر جب یہاں کے اشارات کو ایک نقطے پر مرکوز ہوتا ہوا یا مرکوز کر کے دکھا تا دیتا ہے تو وہ نقطہ لامحالہ حقیقت ہے۔

(۱۱) ارسطو کے ہاں حکمت کا اصل کام یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے یہ ثابت ہو جائے کہ حقیقت کا اصول تنزیہ ذات (transcendence) نہیں ہے بلکہ سریان (immanence) ہے' بنا بریں حقیقت اور صورت میں تعلق کُل اور جزو کا سا ہے۔ یعنی کل جزو سے منزہ نہیں ہے لیکن کسی ایک جزو میں سمایا ہوا بھی نہیں ہے۔ (۵)

(۱۲) حکمت تصوری یونانیوں کی مرکزی روایت ہے' تاہم ان کے یہاں حکمتِ اخلاقی بھی آخری حد تک تکمیل یافتہ صورت میں نظر آتی ہے۔ اس حکمت میں حقیقت اور کائنات کے تعلق کو مغلوب رکھتے ہوتے حقیقت اور انسان کے تعلق کو مرکز بنایا گیا ہے۔ یعنی حقیقت کی حرکت ظہورِ کائنات کے mechanics کو پیدا کرتے ہوئے انسان کی اخلاقی تکمیل پر منتج ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ حکمتِ اخلاقی کسی محکم مذہبی روایت سے محرومی کی حالت میں پنپ نہیں سکتی اس لیے یہ روش یونانی عقلی روایت میں ایک جزیرے کی طرح تو نظر آتی ہے لیکن اس سمندر کی مواجی میں شریک دکھائی نہیں دیتی۔ اس کا احیا یونان سے باہر نکل کر ہوا جہاں حکمتِ اخلاقی کو ایک مذہبی پس منظر بھی حاصل ہوا۔

حکمتِ ایمانی

''حکمتِ یونانیاں'' کے ان بنیادی نکات کے بیان کے بعد اب ''حکمتِ ایمانیاں'' کے اصول و مبادی پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ ''حکمتِ ایمانیاں'' کی ترکیب ہی سے یہ ظاہر ہے کہ یہ حکمتِ وحی کی سرپرستی میں پروان چڑھتی ہے اور اسی کے بتائے ہوئے وجودِ حقیقت سے خود کو شعور کی تمام صلاحیتوں (faculties) کے یکسو اجتماع کے ساتھ ہم آہنگ رکھنے کی سعی کرتی ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ حکمتِ ایمان کی علمی تشکیلات کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اس روایت میں حکمت کی بنیادی تعریفات کچھ یوں ہیں:

(۱) حقیقت کا صورت سے برتر ہونا' رفیع تر ہونا' عقل کی جس صلاحیت سے متحقق (realize) ہوتی ہے اسے حکمت کہتے ہیں۔ یعنی حقیقت جو ہرِ وحدت ہونے کی جہت سے عالمِ کثرت پر تصرف کرتے ہوئے اس سے مطلق ماورائیت کی حالت میں ہے۔ اس اصول کو جاننا حکمت ہے۔

(۲) حکمت عقل کے انفعال (passivity) سے پیدا ہوتی ہے۔ عقل اگر منفعل نہ ہو تو علم کی تشکیل کا عمل مکمل ہو ہی نہیں سکتا' نہ اجمال میں نہ تفصیل میں۔ جب کہ حقیقت کے علم میں آنے کی شرط ہی یہ ہے کہ ذہن اس کو تصور سازی کا موضوع نہ بنائے اور اسے اس کی اپنی صورتِ انکشاف کے ساتھ پوری طرح قبول کرے' اور نہ اسے کسی تفصیل کا محرک بنائے اور نہ کسی علم کا سبب۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ حقیقت کا انکشاف فی الذہن مجمل ہوتا ہے' اصولی ہوتا ہے اور حجت (binding) ہوتا ہے۔ یہ تمام اوصاف ذہن کی کسی بھی نوع کی کارکردگی سے ضائع ہو سکتے ہیں۔

(۳) حکمت عقل کے انفعال سے محض پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کا جوہر انفعال ہے جو اسے حضورِ حقائق میں رہنے کے قابل بناتا ہے' جب کہ فلسفہ حقائق ایجاد کرتا ہے' خودمختاری کے ساتھ کسی پیشگی شرط کی پابندی کیے بغیر۔ عقل کے دو چینلز (channels) ہیں: حصول اور حضور۔ حصول صورت کا ہوتا ہے ذہن کی فعلیت کے ساتھ' حضور حقیقت کا ہوتا ہے ذہن کے انفعال کے ساتھ۔ حصول حجت (binding) نہیں ہوتا' حضور حجت (binding) ہوتا ہے۔

(۴) حکمتِ ایمانی میں حقیقت الحقائق سے مراد ذاتِ حق ہوتی ہے' کوئی امرِ کُلی نہیں۔ یہاں حکمت کا اصل میں مطلب یہ ہے کہ حق پر ایسی شدت اور وسعت کے ساتھ توجہ مرکوز کی جائے کہ تمام عالمِ خلق اس کے دائرے میں سما جائے' یعنی توجہ الی الحق ہمیں اس قابل بنا دے کہ ہم خلق کا اصولی علمی اور وجودی احاطہ کر سکیں' یعنی پورے نظامِ ہستی اور کل عالمِ صورت اور کل وجود و شعور اور انفس و آفاق کا احاطہ ہو جائے۔

(۵) حکمتِ ایمانی یہ ہے کہ شعورِ حق غالب آ جائے حضورِ خلق پر۔ یعنی اشیاء کا علم خواہ کتنا ہی حسی اور clinical کیوں نہ ہو' حق کی معرفت کے زیرِ سایہ ہو اور اس میں ترقی اور مزید تیقن کا ذریعہ بنے۔

(۶) حکمت کا مطلب ہے وحدت فی الکثرت کا واجب الاثبات اور موجبِ تسلیم عرفان' یعنی عقل کا علمِ اشیاء چاہے شے کے بارے میں کسی علم کو کامل نہ بنا سکے لیکن خالقِ اشیاء کے وجود پر ایک محکم شہادت ضرور حاصل ہو جائے۔

(۷) حکمت کائنات کو ایک ہی تعریف سے define کرنے کا ملکہ ہے۔ یہ ذہنِ انسانی کی غالباً سب سے بڑی تمنا ہے کہ وہ چیزوں کو ایک ہی definition کے تحت لانے میں کامیاب ہو جائے۔ اس کے نتیجے میں ذہن کا وہ تقدیری خواب پورا ہو سکتا ہے جس کی رو سے وجود اور شعور ایک ہیں۔ حکمتِ ایمانی اس آرزو کو عقیدۂ حق سے پورا کر دکھاتی ہے۔

(۸) وحی کو مادۂ تعقل بنانا حکمت ہے۔ یعنی حقیقت کے بارے میں تمام ناقص یا کامل علوم و معارف' وحی کی واضح یا اشاراتی رہنمائی میں تشکیل دیے جائیں۔

(۹) حکمتِ ایمانی کی بہت بڑی غایت یہ ہے کہ حقیقت الحقائق کے self-disclosure کو پہچان کر' اچھی طرح تسلیم کر کے' اس کے ساتھ مستقل اور تخلیقی رابطے کے زمانی مکانی structure کو تعمیر کرتے جانا۔ یعنی تعلق مع الحق کو فکر اور عمل کی دنیا میں نتیجہ خیز حالت کے ساتھ برقرار رکھنا اور اس کی بنیاد پر تصورات اور افعال کے تمام محرکات کا علم اور ان پر دسترس حاصل کرنا۔

(۱۰) حکمت عقل کا وہ ملکہ ہے جو کسی Meta Narrative کی فی الذہن تشکیل کے لیے اور فی الوجود تعمیر کے لیے درکار ہو۔ اس درجے پر حکمت ذہنی سے زیادہ روحانی ہے اور عقلی سے زیادہ وجودی۔ حکمت جب عقل کے خاصّے تک محدود نہ رہے اور شعور کی مجموعی حالت کی حیثیت اختیار کرے تو پھر اس کا وجود محض ذہنی نہیں رہتا بلکہ یہ شعور اور وجود کی یکجائی کا ایک فعال حال بن جاتی ہے۔ دوسری طرح سے کہیں تو حکمتِ ایمانی' مجموعی شعور کا مستقل حال ہے جو شعور کی تمام faculties میں سرایت کیے ہوئے ہے اور ان کے لیے تسکین بخش (fulfilling) ہے۔

(۱۱) شعور و وجود کی عینیت کا ذکر اوپر آچکا ہے' اس پس منظر میں دیکھئے تو حکمت وہ استعدادِ نہائی ہے جو اس عینیت کے تجربے سے گزر جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس مرتبے پر حکمت معنی کو صورت اور صورت کو معنی دینے کا کام کرتی ہے' اور اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں سے بلند ہو جانے کو بھی برسرِ عمل رکھتی ہے' تاکہ حق کے ساتھ اس کی حضوری حالت کمزور یا معطل نہ ہونے پائے۔ یہ حضور جو حق کی purity سے تعمیر ہوتا ہے' حکمت کا اصولی محتوی (principle content) ہے

(۱۲) فلسفے کی طرح حکمتِ ایمانی بھی شعور کو شے پر غالب رکھتی ہے' لیکن فلسفے میں اس غلبے کی صورت دوسری ہے۔ وہاں شے کا شعورِ نفسِ شے پر غالب ہے' حکمت ایمانی شعورِ حق کو نفسِ خلق پر حجت بناتی ہے۔ یہ بہت بنیادی فرق ہے' کیونکہ وہاں شے کا شعور تصور ہے اور یہاں حق کا شعور خود حق کی طرف سے فراہم کیا ہوا ہے' جسے ذہن کامل انفعال کے ساتھ تسلیم کر کے اس کی بنیاد پر اپنی فعلیت کے تمام modes متعین کرتا ہے۔ (۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فلسفہ یا حکمتِ یونانی عقل پر انحصار کرنے کی وجہ سے ذہن کی فعلیت سے ماورا ہونے کا نہ کوئی تصور رکھتی ہے نہ اسے اس کی قدرت میسر ہے' کیونکہ عقل فعلیت محض ہے اور یہ تحقیق و ادراک کی کسی بھی سطح پر اپنی فعلیت سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ اس کا پورا نظام المعنی اس کی فعلیت سے مشروط ہے۔ اسی وجہ سے یونانی روایت میں حقیقت معقول (rational) ہوتی ہے۔ یعنی صورتوں کی تجرید کر کے دریافت یا ایجاد ہوتی ہے۔ یہ بات جاننا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے کہ صورتوں کی تجرید (abstraction) صورت کے دائرے سے باہر نکلنے کا عمل نہیں ہے بلکہ اس دائرے کی توسیع ہے۔ اسی وجہ سے عقل مابعد الطبیعی مباحث میں کوئی کردار ادا کرنے کے لائق نہیں ہے' کیونکہ ان مباحث سے کسی بھی قسم کی نسبت پیدا کرنے کے لیے دائرہ صورت سے اوپر اٹھنا اور ذہن کی منفعل حالت ضروری ہے' اور یہ دونوں شرائط ایسی ہیں کہ عقل انہیں قبول کر ہی نہیں سکتی۔ یہ صورت سے کسی بھی مقصودِ علمی کو حاصل کرنے کے لیے منقطع نہیں ہو سکتی' کیونکہ اس شکل میں اس کا صورت پر تصرف معطل

ہو جائے گا۔ دوسری طرف حکمتِ ایمانی میں حقیقت کا شعور تحقیق (realization) کا پھل ہے، جس میں شعور قبولیتِ حق کے لیے درکار مطلوبہ انفعال کی سطح پر پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ یہ وہ درجۂ ادراک ہے جہاں شعور کسی خارجی امر کا احاطہ پیدا کرنے والا اعتماد تو نہیں رکھتا لیکن خود اپنی غایت اور حقیقت سے آگاہ ہو کر اپنی تکمیل کر لیتا ہے۔ یعنی آپ ہی محیط اور آپ ہی محاط بن جاتا ہے۔ یہ شعور کا وہ حال ہے جو اسے حقیقت سے علمی نسبت رکھنے کے لائق بنا دیتا ہے اور اسی کی بنیاد پر حقیقت کے ماننے میں اسے جاننے کا عنصر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ حقیقت کو ماننے کا مادہ عقل میں بھی ہوتا ہے، لیکن عقل اس تسلیم کو نتیجۂ علم بنا لینے پر مصر رہتی ہے، یعنی ماننے کو جاننے کے تابع رکھتی ہے۔ اور چونکہ موضوع اگر حقیقت ہو تو ماننے کا حال جاننے کے عمل کی ماتحتی قبول نہیں کر سکتا اور جاننے کے تمام structures ایمان اور تسلیم کی روشنی میں بنتے ہیں، اس لیے حقیقت اور شعور کے لزومی تعلق کے تقاضے حکمتِ ایمانی ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔ حکمتِ ایمانی کا محتوی عقل کی طرح تغیر و تبدیلی کی زد میں نہیں رہتا۔

آخر میں یہ بات کہنی ضروری محسوس ہوتی ہے کہ حکمتِ ایمانی و یونانی کا یہ تقابل کسی اعتقادی فضا میں کرنے کی بجائے بہتر ہوگا کہ شعور کے تجزیے کی بنیاد پر ہو۔ اس معاملے میں ہمیں خاصی تحقیق کی ضرورت ہے۔

حواشی

(۱) حکمت کی تعریفات میں بہت تنوع ہے۔ شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی کے نزدیک حکمت کی دو بنیادی قسمیں ہیں: حکمتِ ذوقی جو اہلِ عرفان و شہود سے خاص ہے، اور حکمتِ بحثی جو اصحابِ فلسفہ و منطق کے ہاں پائی جاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کا موضوع حقیقت ہی ہے۔ دیکھئے: دیباچہ حکمت الاشراق، علامہ قطب الدین شیرازی، حکمت الاشراق شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول، اردو ترجمہ: مرزا محمد ہادی لکھنوی، ص ا، دار الطبع، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، ۱۹۲۵ء۔

(۲) اس حکمت کو حکمتِ نظری یا عقلی کہتے ہیں۔ اس میں عقیدے یا شریعت سے مطابقت کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا۔
"حکیم آنکسے هست که میخواهد از راهِ دلیل و برهان حقایقِ اشیا را بفهمد چه مطابق با شرع باشد یا نباشد"۔ (حکمت قدیم، محمد حسین فاضل تونی، انتشاراتِ مولیٰ، تہران، ص ا۔)

(۳) اس نکتے کی تفصیل کے لیے دیکھئے:
Windelband, Wilhelm*A History of Philosophy,* Vol 1, "Philosophy of the Greeks", pp 55-65. New York: Harper & Brothers Publishers,1958.

(۴) اس نکتے کی تفصیل کے لیے دیکھئے:
Windelband, *A History of Philosophy,* Vol 1, Part 2, Ch. 3 "The Systematic Period", "The System of Idealism", pp 116-131.

(۵) دیکھئے:
Aristotle, Categories,4. Substance, The Basic Works of Aristotle, trans. E.M. Edhill, Newyork: Random House, pp 9-14.

(۶) تفصیل کے لیے دیکھئے: کشاف اصطلاحات الفنون، محمد تھانوی، الحکمۃ ص: ۵۰۶-۷، اور الحکیم، ص: ۵۰۷-۹، مکتبہ نعمانیہ، کوئٹہ۔ کتاب التعریفات، شریف الجرجانی، اندراج: الحکمۃ، ص ۶۶، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

❁❁❁

وجودِ باری تعالیٰ

نظریہ ہائے علم الکلام کی روشنی میں (۲)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر ☆

اس مضمون کی سابقہ قسط میں ہم نے وجود باری تعالیٰ کے بارے میں ''نظریہ عرفان'' (The Theory of the Unity of Being) کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کیا تھا۔ اس نظریے کے مطابق انسان اور کائنات کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے علم اور خیال کی ہے۔ ''وجود'' ایک ہی ہے اور وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا وجود ہے۔ انسان اور کائنات کی ہر چیز کی حقیقت اللہ کے علم میں موجود اس چیز کا ''عین ثابت'' ہے کہ جس نے خارجی وجود کی بو تک نہیں چکھی ہے۔ انسان کی حقیقت اس دنیا میں موجود گوشت پوست کا بنا ہوا وہ انسان نہیں ہے کہ جس کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں بلکہ انسان کی حقیقت ''عین ثابت'' ہے کہ جس نے خارجی وجود کی بو تک نہیں چکھی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کے خالق ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس نے اپنی ذات سے خارج میں ''حادث'' کو پیدا کیا ہے بلکہ انسان اور کائنات کی ہر چیز کی تخلیق کا معنی یہ ہے کہ وہ اشیاء حق سبحانہ وتعالیٰ کی تجلی کے سبب سے اسی کے علم وخیال ہی میں دیگر اشیاء سے ممیّز ہو گئیں۔ پس مخلوق کی علت ''تجلی ذات'' اور حقیقت ''عین ثابت'' ہے۔ اب اس قسط میں ہم ان شاء اللہ وجود باری تعالیٰ کے بارے میں دہریوں (atheists) کے نقطہ نظر کا جائزہ لیں گے۔

ملحدین اور خدا ناشناس (atheists) مخلوق کے وجود کو مانتے ہیں اور خالق کے انکاری ہیں جبکہ عرفانی صرف خالق کا وجود مانتے ہیں اور مخلوق کو خالق کا خیال قرار دیتے ہیں (۱)۔ منکرین خدا (atheists) کے پاس خدا کے انکار کی جو سائنسی دلیل ہے وہ دو علوم 'فزکس اور بیالوجی' سے پیدا کی گئی ہے۔ نظریاتی فزکس میں کائنات کی ابتداء کو متعین کرنے کے لیے بگ بینگ (Big Bang) کا نظریہ پیش کیا گیا جبکہ نظریاتی بیالوجی میں انسان کی ابتداء کو جاننے کے لیے ارتقاء کا نظریہ (Theory of Evolution) سامنے آیا۔ یہاں ہم نہ صرف دونوں قسم کے نظریات کا ایک تجزیہ پیش کریں گے بلکہ متبادل نظریہ تخلیق (Creationism) کا بھی ذکر کریں گے۔

(۱) نظریۂ انفجارِ عظیم (Big Bang Theory)

اس نظریے کے مطابق یہ کائنات ہی کل وجود (Totality of Existence) ہے اور یہ ستاروں' سیاروں اور کہکشاؤں پر مشتمل ہے۔ اس کائنات میں تقریباً سو ارب سے زائد کہکشائیں (Glaxies) موجود ہیں اور ایک کہکشاں میں دس لاکھ سے لے کر ایک ہزار کھرب تک ستارے ہوتے ہیں۔ اس کائنات کی عمر

☆ mzubair@citilahore.edu.pk

13.798+0.037 ارب سال ہے۔انسان ابھی تک کائنات کے ایک مختصر حصے کا مشاہدہ کر پایا ہے۔ یہ کائنات اس طرح پھیل رہی ہے کہ کہکشاؤں کا درمیانی فاصلہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔(۲)

شروع میں اہل سائنس میں کائنات کی ابتداء کے حوالے سے ''مستحکم حالت کا نظریہ'' (Steady State Theory) معروف تھا کہ جس کے مطابق یہ کائنات ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ بگ بینگ کے نظریہ نے یہ دعویٰ کیا کہ کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی ایک ابتداء ہے اور اس کی ابتداء آج سے تقریباً تیرہ ارب' ستر کروڑ (13.7 billion) سال پہلے ہوئی ہے۔

نظریہ انفجار عظیم (Big Bang) کے مطابق شروع میں یہ کائنات محض ایک نقطہ تھی کہ جسے ماہرین طبیعیات ابتدائی اکائی/وحدت (initial singularity) کا نام دیتے ہیں(۳)۔ یہ نقطہ لامحدود کثافت (infinite density) اور لامحدود درجہ حرارت (infinite temperature) کا حامل تھا(۴)۔اب اس بارے میں ماہرین طبیعیات کی آراء مختلف ہیں کہ اس نقطے کا سائز کیا تھا؟ بعض کا خیال ہے کہ ابتدائی اکائی/وحدت (initial singularity) کہ جس سے اس کائنات کا آغاز ہوا ہے' اس میں کسی قسم کا مادہ' توانائی' زمان اور مکان موجود نہیں تھا۔آسان الفاظ میں یہ کائنات لامحدود حد تک چھوٹے نقطے (ex nihilo) یعنی عدم (A State of Physical Nothingness) سے وجود میں آئی ہے(۵)۔بعض کا کہنا یہ ہے کہ ابتدائی اکائی/وحدت (initial singularity) کہ جس سے اس کائنات کا آغاز ہوا ہے' ایک طبعی حقیقت (Physical Reality) ہے۔آسان الفاظ میں یہ کہ شروع میں اس نقطے میں جو کمیت (mass) تھی وہ عمومی یا سہ جہاتی (three dimentional) نہیں تھی بلکہ لامحدود حد تک سکڑی ہوئی (infinitely compressed) تھی(۶)۔اسٹیون ہاکنگ کے بقول یہ کائنات پلانک سائز (Planck Size) کی تھی یعنی اس کا سائز ایک سینٹی میٹر کا اربواں۔دس کھربواں۔دس کھربواں (billion-trillionth-trillionth) حصہ تھا(۷)۔ پروفیسر ڈاکٹر پرویز ہود بھائے کا خیال ہے کہ جب وقت کا آغاز ہوا تو اس وقت اس کائنات کا حجم کوئی ٹینس کے بال برابر تھا(۸)۔

یہ تو اس کائنات کے ابتدائی سائز کی بات ہوئی اور اب ذرا اس کے پھیلاؤ کے تناسب (rate of expansion) پر کچھ بات ہو جائے(۹)۔اگر ہم یہ فرض کریں کہ شروع میں یہ کائناتی اکائی/وحدت (singularity) ایک سینٹی میٹر قطر کے سکے (coin) جتنی تھی تو لمحہ بھر میں یہ ہماری کہکشاں (Milky Way) سے ایک کروڑ گنا زیادہ پھیل گئی۔اس آئیڈیا کو ماہرین طبیعیات ''تیز رفتار پھیلاؤ'' (Inflation) کا نام دیتے ہیں(۱۰)۔

لیکن چونکہ آئن اسٹائن کا ''نظریہ اضافت'' (Theory of Relativity) اس ''تیز رفتار پھیلاؤ'' کو ڈیفائن کرنے سے قاصر ہے لہٰذا بعض ماہرین طبیعیات نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔اور بعض نے کہا کہ اس عمل کی وضاحت کے لیے ایک نئے نظریہ کی ضرورت ہے جو نظریہ اضافت اور ''نظریہ مقادیر برقیات'' (Quantum Theory) کو ملا کر بنایا جائے اور اسے ''کشش ثقل کا نظریہ مقادیر برقیات'' (Quantum Theory of Gravity) کہا جاتا ہے(۱۱)۔لیکن یہ تھیوری تا حال پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ پائی ہے۔اسے ''نظریہ

ہمہ شئے'' (The Theory of Everything) بھی کہا جاتا ہے کہ جس پر معروف ماہر طبیعیات اسٹیون ہاکنگ کی کتاب ''The Theory of the Everything'' بھی ہے۔

بعض نے اسے ''نظریہ اوتار'' (String Theory) کا نام بھی دیا ہے اور بعض اسے نظریۂ ایم (M-Theory) بھی کہتے ہیں(۱۲)۔شروع میں ''اسٹرنگ تھیوری'' کے کئی ایک متون (versions) سامنے آئے تھے کہ جنہیں ملا کر انہیں ایک ''ماسٹر تھیوری'' (M-Theory) کی صورت دی گئی کہ جس میں مادے کی گیارہ جہات (eleven dimensions) پر بحث کی گئی تھی۔ایم۔تھیوری کے مطابق زمان ومکان کی گیارہ جہتیں ہیں کہ جن میں ایک وقت کی اور دس مکان کی ہیں۔مکان کی سات جہتیں اس قدر چھوٹی ہیں کہ ہمارے مشاہدے سے باہر ہیں(۱۳)۔

بہرحال بگ بینگ کی ان تفصیلات پر اکتفاء کرتے ہوئے ہمیں یہ کہنا ہے کہ بگ بینگ کا نظریہ کائنات کی ابتداء کیسے ہوئی؟(How) کا تو جواب دیتا ہے لیکن کیوں ہوئی؟(Why) کو واضح نہیں کرتا(۱۴)۔اسٹیون ہاکنگ کا خیال ہے کہ انہوں نے ایم تھیوری(M-theory) کی صورت میں ایک ایسا نظریہ بیان کر دیا ہے کہ جس نے کائنات کے وجود کے بارے بنیادی سوالات کا جواب دے دیا ہے اور وہ اسے The Theory of the Everything کا نام دیتے ہیں۔لیکن یہ تھیوری بھی ''کیسے'' کا جواب دینے کے لیے وضع کی جارہی ہے اور جہاں تک ''کیوں'' کا جواب ہے تو اس کے بارے ہاکنگ کا کہنا ہے کہ جب سے یہ حقیقت دریافت ہوئی ہے کہ وقت ایک مکان کی طرح ہے' اس وقت سے یہ سوال بے معنی ہو گیا ہے کہ بگ بینگ سے پہلے کیا تھا؟ (۱۵)

پھر ان کا خیال یہ ہے کہ وہ ایک ریاضیاتی مساوات (Mathematical equation) کے ساتھ اس کائنات کی ہر شے کی تشریح کر سکتے ہیں۔ہماری نظر میں یہ ممکن ہے کہ ہم ایک ہی مساوات (equation) کے ساتھ ساری کائنات کی تشریح کر سکیں لیکن وہ مساوات ''خالق اور مخلوق کا باہمی تعلق'' کی مساوات ہے' نہ کہ کوئی ریاضیاتی یا طبیعیاتی مساوات۔

اگر ہم کسی دہریے(atheist) سے یہ سوال کریں کہ وہ خالق ہے یا مخلوق؟ تو اس کا لازم جواب یہی ہوتا ہے کہ وہ مخلوق ہی ہے اور وہ اپنا خالق آپ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا ہے۔اب اس سے اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ ایک مخلوق ہے تو اس کا خالق کون ہے؟ یہاں بعض مؤمنوں کو یہ غلطی لگتی ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ملحدین کسی خدا کو نہیں مانتے۔دہریے اگرچہ مذہب کے خدا کو نہیں مانتے لیکن وہ اس کائنات کا خالق (creator) ضرور مانتے ہیں اور وہ خالق ان کی نظر میں قوانین فطرت (laws of nature) ہیں۔(۱۶)

ولیم پیلے[William Paley (1743-1805)] ایک عیسائی متکلم ہیں کہ جنہوں نے خدا کے وجود کے اثبات میں Natural Theology or Evidences of the Existence and Attributes of the Deity کے عنوان سے ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی۔اس کتاب نے اپنے دور کے سب سے بڑے دہریے ڈیوڈ ہیوم کے افکار کو لگام ڈال دی تھی۔یہ کتاب ۱۹۲۰ء تک کیمبرج یونیورسٹی کے نصاب میں رہی ہے۔پوپ نے غالباً ۱۹۷۲ء میں اسے عیسائیت کی دلیل کی کتاب قرار دیا۔

خدا کے وجود کے بارے میں ''پیلے'' کی بنیادی دلیل مشابہت کی دلیل ''Watchmaker Analogy'' کہلاتی ہے۔یعنی اگر ایک پیچیدہ گھڑی' کسی گھڑی ساز کے بغیر نہیں ہوسکتی اور جدید ٹیلی سکوپ کسی موجد کے بغیر نہیں ہوسکتی تو کائناتی گھڑی اور آنکھ کسی خالق کے بغیر کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ دونوں اپنے نظام میں عام گھڑی اور ٹیلی سکوپ سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔

چارلس ڈارون سے لے کر رچرڈ ڈاکنز تک ہر بڑے دہریے نے ''پیلے'' کی اس دلیل کا جواب دینا چاہا ہے۔ڈارون کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ مطلع (updated) نہیں تھا' لیکن رچرڈ ڈاکنز جیسا ماہر حیاتیات جب یہ کہتا نظر آتا ہے کہ اس کائنات کا خالق اندھے بہرے طبعی قوانین (blind forces of physics) ہیں تو انسان سر پیٹ کر رہ جاتا ہے[۱۷]۔اب ملحدوں کا مؤمنوں سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ یہ ثابت کریں یعنی اس بات پر منفی دلائل لے کر آئیں کہ اس کائنات کا خدا ''اندھا' بہرا اور بے عقل'' نہیں ہے بلکہ ''سمیع' بصیر اور حکیم'' ہے۔[۱۸]

اسٹیون ہاکنگ' آئن اسٹائن کے بعد ایک بڑا سائنس دان سمجھا جاتا ہے۔ بلاشبہ ہاکنگ کی The Theory of the Everything نے عمدہ سوالات تو خوبصورت طریقے سے اٹھا دیے لیکن ساتھ ہی اس سوال کو غیر متعلق قرار دیا ہے کہ قوانین فطرت کا مبدا (origin of laws of nature) کیا ہے؟ وہ اس بارے کچھ بات کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں سوائے یہ بتلانے کے کہ گلیلیو (Galileo)' کیپلر (kepler)' ڈیکارٹ (Descartes)' کاپرنیکس (Copernicus) اور نیوٹن (Newton) ان قوانین قدرت کو خدا کا کام (Work of God) مانتے تھے[۱۹]۔

یہ سب سائنس دان تو خدا (Personal God) پر ایمان رکھتے ہی ہیں بلکہ ان کے علاوہ آئن سٹائن (Einstein)' آرتھر کامٹن (Arthur Compton)' پاسکل (Blaise Pascal)' ارنسٹ ہیکل (Ernst Haeckel)' جیمز میکس ویل (JamesMaxwell)' بیکن (Francis Bacon)' لوئیس پاسچر (Louis Pasteur)' گریگر (Gregor Mendel)' گاٹ فریڈ (Gottfried Leibniz)' مارکونی (Guglielmo Marconi)' میکس پلانکس (Max Planck)' تھامسن کیلون (Thomson Kelvin)' ہینز برگ (Werner Heisenberg)' ایرون شیلڈیز (Erwin Schrodinger)' فرانسس کولنز (Francis Collins)' جان ایکلز (John Eccles) وغیرہ بھی خدا کے وجود پر ایمان اور یقین رکھتے ہیں[۲۰] لیکن عصر حاضر میں جو تھیوری بھی اپنے بارے میں Theory of the Everything ہونے کا دعویٰ کرے گی تو اسے تو ان سارے سوالات کا جواب دینا پڑے گا۔

چلیں اگر بفرضِ محال ہم اس نظریے پر ایمان لے آئیں کہ قوانین فطرت (laws of nature) نے کائنات کو پیدا کیا ہے تو اگلا سوال یہ پیدا ہوا کہ قوانین فطرت کا مبدا (origin) کیا ہے؟ یا ہم اس کو مان لیں کہ اس کائنات کی ابتدا بگ بینگ (Big Bang) سے ہوئی ہے تو اگلا سوال یہ پیدا ہوگا کہ اس سے پہلے کیا ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے جب تک آپ کا نظریہ ان بنیادی سوالات کی وضاحت نہیں کرتا اس وقت تک یہ نامکمل اور ناقص ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بگ بینگ وغیرہ ابھی نظریہ (theory) ہے نہ کہ مشاہدہ (observation) یا

تجربہ (experiment) اور کسی سائنسی نظریہ پر ایمان لانا' کسی مذہبی نقطہ نظر پر ایمان لانے سے کس طرح مختلف ہو سکتا ہے؟ کیا دونوں اندھا ایمان (blind faith) نہیں ہیں؟ بگ بینگ کے حق میں جو سائنسی دلائل بیان کیے جاتے ہیں تو ان کی تصدیق کتنوں کو نصیب ہے؟ ہبل (Hubble) سے پھیلتی ہوئی کائنات کا مشاہدہ کتنوں کو نصیب ہے؟ یا سرخ تغیر (Red Shift) اور کائناتی پس پردہ شعاع ریزی (Cosmic Background Radiation) کو کتنے لوگ سمجھ سکتے ہیں؟ ایک بدو کے لیے حضرت جبرائیلؑ کے نزول اور کائنات کے پھیلاؤ پر ایمان لانے میں کیا فرق ہے؟ اور ایک دیہاتی کے لیے واقعہ معراج کو مان لینے اور چاند پر انسان کی لینڈنگ پر ایمان لانے میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ ایک عام شخص کے پاس وہ اہلیت وصلاحیت اور آلات وساز وسامان (Tools and Resources) نہیں ہیں کہ جن کی مدد سے وہ سائنسدانوں کے کسی دعویٰ کی تصدیق کر سکے۔ وہ صرف ایک ہی راستے سے سائنسدانوں کی بات مان سکتا ہے اور وہ ان پر ایمان اور یقین کا راستہ ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر کائنات کی ابتدا کے بارے میں کوئی سائنسی نظریہ' مشاہدہ یا تجربہ (observation or experiment) سے ثابت ہو بھی جائے تو دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو سائنسی مشاہدے یا تجربات کو متعلقہ علوم کی اصطلاحی زبان میں (in terms of concerned sciences) سمجھنے کی صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہیں؟ ایم تھیوری سے اگر آپ کائنات کی تشریح کر دیں تو اس تھیوری کو دنیا میں سمجھنے والے کتنے لوگ ہوں گے؟ اپنی اہلیت اور علم دونوں پہلوؤں سے؟ ایم۔تھیوری' ماہرین فزکس کی سمجھ میں جتنی آئے سو آئے' بقیہ دنیا کے لیے یہ سائنس نہیں بلکہ سائنسدانوں پر ایمان بالغیب کا سوال ہی رہے گا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ابھی تو بگ بینگ پر تحقیقات سامنے آ رہی ہیں اور کچھ سائنسدانوں نے اسے چیلنج کرنا شروع کر دیا ہے' جیسا کہ حال ہی میں جرمن یونیورسٹی ہائیڈل برگ (Heidelberg University) کے ایک نظریاتی ماہر طبیعیات (theoretical physicist) نے A Universe without Expansion, 2013 کے نام سے ایک ریسرچ آرٹیکل پیش کیا ہے۔ (۲۱)

اور یہ ایک امر واقعہ ہے کہ بگ بینگ (Big Bang)' ارتقاء (Theory of Evolution)' بلیک ہولز (Black Holes) اور کثیر کائناتی (Multiverse) نظریات اس سے زیادہ ایمان بالغیب کے متقاضی ہیں کہ جتنا کتاب مقدس اپنے ماننے والوں سے کرتی ہے۔ پہلے ہاکنگ کا کہنا تھا کہ بلیک ہولز ہیں اور اس میں افق وقیعہ (event horizons) ہیں اور اب اس کا کہنا ہے کہ افق وقیعہ نہیں بلکہ افق واضحہ (apparent horizons) ہیں کہ جس کا مطلب ہے کہ کوئی بلیک ہول موجود نہیں ہے کہ جس میں داخل ہونے کے بعد آپ باہر نہیں نکل سکتے' بلکہ وارم ہول (worm hole) موجود ہیں کہ جن میں ایک بار داخل ہونے کے بعد آپ دوسری طرف سے نکل کر ایک دوسری کائنات میں پہنچ جائیں گے۔ (۲۲)

بگ بینگ کو اگر مان بھی لیا جائے تو وہ بھی کسی مادے (mass) اور توانائی (energy) کے بغیر تو نہیں ہو سکتا اور سوال یہ ہے کہ وہ مادہ اور توانائی کہاں سے آئی تھی؟ زیرو کو جمع کر لیں' منفی کر لیں' ضرب دے لیں یا تقسیم کر لیں' ہر صورت میں جواب زیرو ہی ہوگا۔ اب کیا اشرف المخلوقات اس قدر گر جائے گا کہ سمیع وبصیر اور

وحدۂ لاشریک کے مقابلے میں اندھے بہرے مادی قوانین فطرت کے نہ صرف خالق اور مدبر (creator and organizer) بلکہ رازق (sustainer) اور قدیر (powerful to will anything) ہونے پر بھی ایمان لے آئے گا؟ اتنی سیدھی سی بات ہے لیکن اس کو سمجھ نہیں آ سکتی کہ جس پر اپنی سمجھ دہریوں کے پاس رہن رکھوانے کا طعن لگ جائے۔ (۲۳)

اسٹیون ہاکنگ کا دعویٰ ہے کہ یہ کائنات قوانین فطرت کے سبب سے عدم سے وجود میں آئی ہے اور اس میں کسی خدا کا تصرف شامل نہیں ہے (۲۴)۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ایک ستارے کا عدم سے وجود میں آنا تو ممکن نہیں ہے لیکن ایک کائنات کا عدم سے خود بخود وجود میں آنا ممکن ہے اور اس کی وجہ کشش ثقل (law of gravity) کا قانون ہے۔ (۲۵)

قوانین فطرت کائنات کو پیدا کر سکتے ہیں لیکن ایک جیٹ انجن نہیں بنا سکتے؟ دہریوں کی یہ عجیب تر منطق ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ ''عدم'' (nothing) سے ''عدم'' (nothing) ہی نکل سکتا ہے نہ کہ ''کچھ'' (something)۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ ''X'' نے ''Y'' کو بنایا ہے تو ''X'' پہلے ہوگا اور ''Y'' بعد میں۔ اور اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ ''X'' نے ''X'' کو پیدا کیا ہے تو ''X'' اپنی پیدائش (creation) سے پہلے موجود ہوگا اور یہ عدم (nothing) سے پیدا نہیں ہوا۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب کائنات کے عدم سے وجود میں آنے کے لیے قانون کشش ثقل (law of gravity) کا ہونا ضروری ہے تو یہ عدم سے تو وجود میں نہیں آئی۔ (۲۶)

بعض ماہرین طبیعیات تو اس بات کو دبا ہی گئے کہ ''عدم'' (nothing) سے اگر کائنات خود وجود میں آ سکتی ہے تو ان کی ''عدم'' سے مراد کیا ہے' جبکہ بعض نے ''عدم'' سے مقادیر برقیات خلاء (quantum vacuum) مراد لیا ہے (۲۷) اور اس پر کافی بحث ہے کہ اب عامۃ الناس کو دھوکا دینے کے لیے ملحدین کے ہاں الفاظ کے معانی بھی اپنے ہی مراد لیے جائیں گے (۲۸)۔ بہت سے ماہرین فزکس نے بھی اس کا اقرار کیا ہے کہ الٰہیات (theology) فزکس کا میدان نہیں تھا' لیکن بعض نامور سائنس دانوں نے نظریاتی فزکس (theoretical physics) کے راستے اس میں گھس کر اپنی تحریروں میں سطحیت پیدا کر لی ہے۔ درست بات یہی ہے کہ قوانین فطرت بیانیہ (descriptive) اور خبریہ (predictive) ہو سکتے ہیں لیکن خالق (creator) نہیں ہو سکتے۔

اور فزکس میں خود کوانٹم میکانکس (quantum mechanics) اور نظریہ اضافت (general relativity) کے میدانوں (disciplines) کے باہمی اختلاف نے فزکس کے راستے حقیقت (reality) تک رسائی کو تقریباً ناممکن بنا دیا ہے۔ پہلی شاخ کی بنیاد electromagnetic' strong nuclear اور weak nuclear قوتوں پر ہے جبکہ دوسری میں اصل کشش ثقل (gravity) ہے۔ اور اس موضوع پر مطالعہ یہ بتلاتا ہے کہ کوانٹم گریوٹی (quantum gravity) کے راستے اسٹرنگ تھیوری (string theory) وغیرہ جیسی کوششوں سے انہیں جمع کرنا تا حال ایک خواہش سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

علاوہ ازیں کوانٹم میکانکس میں اصول لایقینیت (uncertainty principle) اور موج وذرہ دوگانگی (wave-particle duality) نے تو اس مقدمے کو کچھ اور یقینی بنا دیا ہے کہ فزکس کے راستے حقیقت (reality) تک رسائی ناممکن ہے۔ یعنی الیکٹران جیسے ذرّے کی سطح پر ان کے لیے یقین سے کوئی بات کرنا مشکل ہوگیا ہے کہ وہ ذرّہ ہے یا موج' تو یہ اتنی بڑی کائنات کے بارے کیا خبر دیں گے؟

اگر بگ بینگ کو مان بھی لیا جائے تو بھی ڈیزائن کی دلیل (Design Argument) اس بات کی متقاضی ہے کہ خالق کو مانا جائے۔ مثلاً کیا وجہ ہے کہ بگ بینگ میں توسیع کائنات کا تناسب (rate of expansion of the universe) اتنا ہی کیوں ہے کہ جو زندگی کے لیے معاون (supporting for life) ہو؟ اسی طرح اس تھیوری میں سینکڑوں مقامات پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور ہر جگہ اس کا جواب اتفاق (chance) سے دینا ناممکن بلکہ نظریہ احتمال (probability theory) کے بھی خلاف ہے۔

اس ''اتفاق'' کے اعتراض کا جواب دینے کے لیے دہریوں کی طرف سے ''کثیر کائناتی'' (Multiverse) کا نظریہ پیش کیا گیا ہے اور ہمارے سادہ لوح مسلمان سائنس دان اس نظریے کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوششیں فرما رہے ہیں۔ معلوم نہیں ہمیں کیا ہوگیا ہے؟ کیا ہم مغرب کے جملہ سائنسی اوہام (superstitions) کو قرآن مجید سے ثابت کر کے ہی کتاب اللہ اور سائنسی نظریہ دونوں کی حقانیت (authenticity) ثابت کر سکتے ہیں؟

اور اب تو ''متوازی کائنات'' (parallel universe) اور ''مخالف زمین'' (counter earth) وغیرہ جیسی ابحاث کا مطالعہ کرنے سے یہ سائنس کم اور ''افسانہ'' (fiction) زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اور اللہ نہ کرے کہ ہمارے ہاں کسی مخلص مسلمان سائنس دان کو یہ خیال سوجھے کہ وہ اس ''افسانوی سائنس'' (theoretical physics) سے ''عالم مثال'' کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ سائنس دان بلیک ہولز کے تصور سے رجوع کر رہے ہیں اور ہم بلیک ہولز کو قرآن مجید سے ثابت کر کے سائنس اور قرآن میں تطبیق پیدا کر رہے ہیں۔

(۲) نظریہ ارتقاء (Theory of Evolution)

رہی بیالوجی کی بات تو زمین پر حیات کی ابتدا (Origin of Life on Earth) سے ہٹ کر کائنات کے مبدأ (origin of the Universe) کے بارے کچھ پیشین گوئی (predict) اس کے بس سے باہر ہے' کیونکہ یہ اس کا موضوع اور میدان ہی نہیں ہے۔ تو یہ نظریہ بھی نامکمل اور ناقص ہے اور اس قابل نہیں ہے کہ The Theory of the Everything بن سکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نظریہ ارتقاء کو مان لینے کا لازمی نتیجہ خدا کا انکار (atheism) نہیں ہے۔ ''نظریہ تخلیق'' (creationism) نے جو مکاتب فکر (schools of thought) پیدا کیے ہیں ان میں Theistic Evolution اور Intelligent Design نے ارتقاء کو خدا کے وجود کی دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔ امریکن ماہر جینیات (geneticist) ڈائریکٹر این آئی ایچ (NIH) کی کتاب The Language of God: A Scientist Presents Evidence for Belief اسی سلسلے کی کوشش ہے۔

پھر ارتقاء ایک نظریہ (theory) ہے یا امر واقعہ (fact)' اس بارے ماہرین حیاتیات (biologists) کا اختلاف ہے۔ ڈاکنز (Dawkinz) کے نزدیک یہ ایک امر واقعہ (fact) ہے' فٹشیو (Kirk Fitzhugh) نے اسے نظریہ (theory) کہا ہے۔ اور جولین ہکسلے (Julian Huxley)' رچرڈ لینسکی (Richard Lenski) وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ کچھ نظریہ (theory) ہے اور کچھ امر واقعہ (fact)۔ اور جسے امر واقعہ کہا جا سکتا ہے وہ وقت کے ساتھ حیاتیات میں تبدیلی (change in organism during the history) ہے' جبکہ اس کے علاوہ ابھی نظریہ ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ نظریہ ارتقاء کو امر واقعہ (fact) ماننے کا جواب ''غیر محدود پیچیدگی'' (Irreducible Complexity) ماننے کے نظریہ میں مکمل طور موجود ہے کہ جس پر مائیکل بیہے (Michael Behe) نے Darwins's Black Box: The Biochemical Challenge to Evolution کے نام سے ایک معرکۃ آلاراء کتاب لکھی اور ثابت کیا کہ مخلوق میں ارتقاء فطری انتخاب (natural selection) کے راستے ممکن نہیں ہے۔ اور فطری انتخاب کا نکتہ نظریہ ارتقاء کی جڑ ہے۔ اس کا جواب بعض لوگوں نے The Blind watchmaker سے دینے کی کوشش کی ہے' لیکن المیہ یہ ہے کہ دہریے سنتے دیکھتے خالق کا انکار کرتے کرتے اندھے بہرے خدا کا اقرار کر بیٹھے۔

عصر حاضر کے دہریوں نے خدا کے انکار کے نتیجے میں جو جہالت پیدا کر دی ہے' اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ یا تو آپ ارتقاء پر ایمان لاتے ہوئے فطری انتخاب (Natural Selection) کو اندھے بہرے خدا کے طور پر مان لیں یا پھر بگ بینگ پر ایمان رکھتے ہوئے خدائی ذرے (God Particle) کی کھوج کی صورت میں اندھے بہرے خدا کی تلاش کی مہم جاری رکھیں۔

اور پانچویں بات یہ ہے کہ اگر ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو بفرضِ محال امر واقعہ (fact) مان بھی لیا جائے تو پھر بھی ایک عام شخص کے لیے یہ ماہرین حیاتیات (biologists) پر اندھا ایمان (blind faith) لانے کا سوال ہی بنتا ہے' کیونکہ عامی کے پاس نہ تو اس نظریے کے جمیع پیچیدہ اور تفصیلی مراحل کو سمجھنے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی اتنا علم کہ ان کا تنقیدی یا تجزیاتی جائزہ لے سکے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ ڈی این اے میں تبدیلی (change in DNA) ارتقاء کے حق میں جتنی دلیل بنتی ہے' اس سے زیادہ اس کے خلاف دلیل بنتی ہے۔ رینگنے والے جانوروں (reptiles) کے ڈی این اے (DNA) میں پرندوں کے پروں کے بارے کوئی معلومات (information) نہیں ہوتی تو یہ اضافی انفارمیشن (additional information) کہاں سے آ گئی؟ امر واقعہ یہ ہے کہ جینیاتی تبدیلی (genetic mutation) سے جینیاتی انفارمیشن (genetic information) پیدا نہیں ہوتی بلکہ کم ہی ہوتی ہے۔ اور اضافی فارمیشن کے لیے ''intellect'' کا ہونا ضروری ہے۔

قرآن اور سائنس

بعض مخلص مسلمان بگ بینگ کی تھیوری اور بعض ڈارون کا نظریہ ارتقاء قرآن مجید سے اس طرح ثابت

کرتے ہیں جیسے بنیادی ایمانیات (fundamental beliefs) قرآن مجید سے ثابت ہو رہے ہوں۔ اس منہج کے مطابق لکھی گئی بعض تفاسیر کا مطالعہ کریں تو قرآن مجید کتابِ ہدایت (Book of Guidance) کم اور سائنس کی کتاب (Book of Science) زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ گویا اب قرآن مجید کی حقانیت اس وقت تک ثابت نہیں ہوگی جب تک کہ وہ مغرب کے جملہ اوہام اور من گھڑت نظریات کی کسوٹی پر پورا نہ اُترے۔

آج سے تقریباً چالیس سال پہلے ہاکنگ نے بلیک ہولز کا نظریہ پیش کیا اور اس کے بعد سے بعض مسلمان سائنس دانوں نے قرآن مجید کی سورۃ الواقعہ کی بعض آیات سے بلیک ہولز کو ثابت کرنا شروع کر دیا۔ اب ۲۰۱۴ء میں وہ تو اپنی تھیوری سے رجوع کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے چالیس سال پہلے غلط سمجھا تھا کہ بلیک ہولز سے کسی قسم کی انفارمیشن نہیں نکل سکتی اور جو نکلتی ہے وہ نئی ہوتی ہے۔ اور اب وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ضروری نہیں ہے کہ بلیک ہولز ہر چیز کو اپنے اندر جذب کر لیں اور یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ''event horizons'' کی بجائے ''apparent horizons'' پر سوچنا چاہیے' کیونکہ کوانٹم میکانکس بھی پہلی صورت کو قبول نہیں کرتی ہے کہ جس میں انفارمیشن ختم ہو جاتی ہے۔ (۲۹)

ہماری نظر میں یہ رویہ بالکل بھی درست نہیں ہے بلکہ نقصان دہ ہے' کیونکہ آج ہم اگر نظریہ ارتقاء اور بگ بینگ تھیوری کو قرآن مجید سے ثابت کر کے مسلمانوں سے اس پر ایمان لانے کا مطالبہ کریں گے تو کل کلاں اہل سائنس نے ہی اگر ان نظریات سے رجوع کر لیا تو پھر امت سے کیا کہیں گے؟ کہ خدا غلط تھا؟ سائنس میں نظریہ (theory) اور چیز ہے جبکہ امر واقعہ (fact) بالکل اور شے ہے۔ اسی طرح کسی شے کے سائنسی امر واقعہ (scientific fact) ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید بھی اسے لازماً ہی بیان کرے۔ قرآن مجید کا موضوع فزکس' بیالوجی' کیمسٹری' ریاضی نہیں بلکہ ہدایت کا بیان ہے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ کتاب اللہ میں بعض ایسی باتیں موجود ہیں کہ جو دیگر علوم کا بھی موضوع ہے' لیکن ان میں بھی پروردگار کا اصل مقصود ہدایت اور نصیحت کا پہلو ہے' جیسا کہ سابقہ قوموں کے حالات و واقعات نقل کیے گئے ہیں یا ماں کے پیٹ میں بچے کی پیدائش کے مراحل بیان کیے گئے ہیں' وغیرہ۔

قرآن مجید کے بیان میں کچھ باتیں محکمات میں سے ہیں جبکہ کچھ متشابہات ہیں۔ کچھ آیات کا مفہوم صریح (explicit) ہے جبکہ کچھ میں ایک سے زائد آراء کی گنجائش ہے۔ بچے کی پیدائش کے جو مراحل قرآن مجید نے بیان کیے ہیں' وہ صریح ہیں۔ انہیں بیان کرنے یا ان کو سائنسی امر واقعہ کے ساتھ ملا کر بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن آج کل کچھ مسلم بیالوجسٹ ارتقاء کے حق میں یہ دلیل دیتے نظر آتے ہیں کہ قرآن مجید میں بھی تو بچے کی پیدائش کے مراحل بیان ہوئے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ بچے کی پیدائش کے مراحل میں جو تبدیلی ہے' وہ ایک ہی نوع (species) کے متنوع مراحل ہیں' جبکہ ارتقاء پسند تو ''چھچھوندر'' سے ''انسان'' بننے کی بات کر رہے ہیں۔ اسی طرح ''مالٹے'' اور ''کنو'' سے ''سنگترہ'' بنانے یا ان سے ''ناریل'' اور ''تربوز'' بنانے یا ''آم'' اور ''کیلا'' بنانے میں کیا کوئی فرق نہیں ہے؟ ''کتے'' کی ایک نسل سے دوسری نسل کے پیدا ہو جانے کے امکان اور ''کتے'' سے ''بلی'' بن جانے کے

امکان میں کیا کوئی فرق نہیں ہے؟ ''ارتقائی درخت'' (evolutionary tree) اسی قسم کے لطیفوں سے بھرا پڑا ہے کہ جس کے مطابق ''کتا'' اور ''ریچھ'' آپس میں چچازاد (cousin) ہیں لیکن دلیل اس کی ''غائب ربط'' (missing link) ہے۔ اور اب تو علمی دیانت داری اور ارتقائی مذہب پر ایمان کا یہ عالم ہے کہ بیالوجسٹ ''بندر'' (apes) اور ''انسان'' کے مابین ''غائب ربط'' (missing link) تلاش کرنے کی بجائے اسے ''بنانے'' کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

رچرڈ ڈاکنز کا کہنا ہے کہ ڈارون نے یہ ممکن بنا دیا ہے کہ ہم ایک فکری طور پر مطمئن و مسلح دہریے (intellectually fulfilled atheist) کی طرح زندگی گزار سکیں (۳۰) جبکہ دوسری طرف ہمارے بعض مسلم بیالوجسٹ قرآن مجید سے ارتقاء کو ثابت کرنے کی مذہبی خدمت سرانجام دینے میں مصروفِ عمل ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ڈارون سے پہلے ان دہریوں (Atheists) کے پاس تخلیق کائنات اور انسان کی ابتداء کی کوئی توجیہہ موجود نہ تھی اور مذہب اور خدا کا انکار کرنے کے بعد اہل مذہب کی طرف سے متبادل کے سوال پر یہ بغلیں جھانکنا شروع کر دیتے تھے۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء نے تو گویا ان کی چاندی لگا دی ہے' اور اب ان کے پاس خدا اور مذہب کے انکار کے بعد اس کائنات کے موجود ہونے کی کوئی واحد کمزور' نامکمل' گھسی پٹی' غیر منطقی' غیر سائنسی توجیہہ اگر موجود ہے تو وہ ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہے۔ اور ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا گر جانا دہریت کی عمارت دھڑام سے گرنے کے مترادف ہے۔

قرآن مجید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان میں نازل ہوا اور پروردگار نے ان سے ایسا کلام کیا ہے جو ان کو سمجھ آئے۔ یہ تو کلام الٰہی کا نقص شمار ہوگا کہ وہ نہ تو مخاطبین اوّلین کو سمجھ آیا کہ جنہیں سمجھانے ہی کے لیے وہ نازل کیا گیا تھا اور مزید یہ کہ خدا کا کلام سمجھنے کے لیے ہمیں چودہ صدیاں انتظار بھی کرنا پڑا۔ قرآن مجید کا وہی مفہوم درست ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سمجھا اور سمجھایا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲﴾ (یوسف)

''بے شک ہم نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا تا کہ تم سمجھ سکو۔''

دہریت اور الحاد

ذیل میں ہم پاکستان میں دہریت اور الحاد کی اقسام' اسباب' مقاصد' حکمت عملی' اعتراضات' معتقدات' طرزِ استدلال اور علاج کے حوالے سے چند بنیادی مباحث کا تذکرہ کریں گے جیسا کہ ہم نے وجود کی بحث میں کیا تھا۔

(۱) ملحدوں کی حکمت عملی

ملحدوں (atheists) سے مکالمہ (dialogue) کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان کی حکمت عملی (strategy) سے واقف ہوا جائے۔ اہم تر بات یہ ہے کہ سطحی ذہن کا ملحد ہمیشہ فروعات پر بحث کرنے کی کوشش کرے گا' اصولوں (principles) پر نہیں۔ وہ اہلِ ایمان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں' تعدد ازواج' نکاح

کے وقت حضرت عائشہ ؓ کی عمر' لونڈی' غلام' حجاب' نقاب' جہاد' طالبان' داعش وغیرہ جیسے تصورات میں الجھانے کی کوشش کرے گا اور اسے خدا اور مذہب کے انکار کی دلیل بنائے گا۔

ایسے ملحدوں کو فروعات کی بجائے پہلے اصولوں پر لانا چاہیے۔ مکالمے کے لیے پہلا موضوع ''خالق ہے یا نہیں ہے'' ہونا چاہیے۔ جب ''خالق کا ہونا'' ثابت ہو جائے تو پھر ''مخلوق کی مقصدیت'' کو موضوع بحث بنانا چاہیے کہ خالق کی تخلیق بامقصد ہے یا نہیں؟ جب تخلیق کا بامقصد ہونا ثابت ہو جائے تو پھر ''مذہب کی ضرورت'' کو موضوع بحث بنایا جائے کہ مذہب' انسانوں کی بنیادی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت ہے یا نہیں؟ جب ''مذہب کی ضرورت'' ثابت ہو جائے تو پھر صرف اسلام ہی کے تمام مذاہب میں مذہب برحق ہونے کو موضوع بحث بنایا جائے۔

جب خدا کا وجود اور مذہب کی ضرورت ثابت ہو جائے تو پھر رسالت کی ضرورت پر بحث کی جائے کہ اگر خدا ہے تو رسول ضروری ہیں یا نہیں؟ جب رسولوں کی ضرورت ثابت ہو جائے تو پھر محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے رسول ہونے پر بحث کی جائے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں یا نہیں؟ جب ان کا سچا رسول ہونا ثابت ہو جائے تو اب آپ کے لیے اس ملحد کو یہ سمجھانا مشکل نہیں ہے کہ محمد ﷺ نے اتنی شادیاں کیوں کیں؟

جب خدا' مذہب اور رسالت ثابت ہو جائیں تو اب آخرت اور جنت و جہنم پر بحث کی جائے۔ جب ان تمام اصولوں پر بحث ہو جائے تو اب فروعات کو زیر بحث لانے میں حرج نہیں ہے۔ جو لوگ اصولوں میں آپ سے متفق نہ ہوں تو ان سے فروعات میں بحث کرنا وقت کا ضیاع ہے۔ اور یہ اس لیے بھی کہ بڑا ذہن ہمیشہ اصولوں پر بحث کرتا ہے نہ کہ فروعات پر۔ اصول درست ہوں تو فروعات بھی درست ہی ہوتی ہیں یا انہیں صرف درست توجیہہ (reasoning and interpretation) کی ضرورت ہوتی ہے' لیکن اگر اصول ہی غلط ہوں تو پھر فروعات کبھی درست نہیں ہو سکتیں۔

اور الحاد کو زیر بحث لاتے ہوئے اس کے اصولوں کو ضرور موضوع بحث بنانا چاہیے۔ ملحد ہوشیار ہے' وہ آپ کے میدان پر ہی کھیلنا چاہتا ہے' آپ اس کے میدان پر بھی کھیلیں۔ یعنی ملحد کے خدا کو موضوع بحث بنائیں اور وہ قوانین فطرت (laws of nature) ہیں یا عدم (Nothingness) ہے' وغیرہ۔ ملحد کی کوشش ہو گی کہ آپ سے اس بات پر مکالمہ کرے کہ اللہ موجود ہے یا نہیں؟ اور آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ملحد کے عقیدے کو موضوع بحث بنائیں کہ قوانین فطرت (laws of nature) اس کائنات کے خالق ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور الحاد کا اصل الاصول (prime principle) ''نظریہ ارتقاء'' ہے۔ ملحدوں کے پاس دلیل کی کل جمع پونجی ''نظریہ ارتقاء'' ہے۔ آپ اس نظریے پر بات کرنے کے لیے ملحد کو آمادہ کریں اور اس کو غلط ثابت کر دیں تو ملحد کے ایمان و یقین کی کل عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔

(۲) ملحدین کے مذہبی رویّے

ملحدین سے مکالمہ کرتے وقت ان کے رویوں کے محرکات (motives of attitudes) کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اچھا دہریہ (Good Atheist) کے الفاظ فی زمانہ ایک اصطلاح کے طور

معروف ہورہے ہیں اوراس کے کئی ایک مفاہیم مراد لیے جاتے ہیں' جن میں ایک یہ ہے کہ اچھا دہریہ وہ ہے کہ جوخدا کو نہ ماننے کے باوجود کسی سماجی اخلاقی نظام کی پابندی کرتا ہو' وغیرہ۔

میں پہلے ان دہریوں کو بے وقوف سمجھتا تھا کہ جو خدا کے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کا اظہار بھی کرتے ہیں' مذہب بیزار بھی ہیں' لیکن ساتھ میں بات بات پر اللہ کا شکر (Thank God) جیسے الفاظ بھی کہہ دیتے ہیں' نماز بھی پڑھ لیتے ہیں' انسانی رشتوں میں بھی اس حلت وحرمت کا دھیان کرنے والے ہیں کہ جو مذہب کی تعلیم ہے' شادی بیاہ اور نکاح وطلاق کے مسائل میں بھی معاشرتی مذہب پر عمل پیرا ہیں۔ایک دفعہ میں ایک دہریے سے الجھ پڑا کہ مجھے بتلاؤ کہ پاکستان میں کوئی ایسا دہریہ ہے کہ جس نے مرنے سے پہلے وصیت کی ہو کہ میری نماز جنازہ نہ پڑھانا؟ اس نے کہا نہیں' ایسا دہریہ میرے علم میں بھی کوئی نہیں ہے (۳۱)۔لیکن اس کو آپ یہ نہ سمجھیں کہ ایک دہریے کو آخرت یا جنت اور جہنم کا یقین ہے یا یہ عمل اس کے خدا پر ایمان کی علامت ہے' بلکہ اس کو یوں سمجھیں کہ یہ سماجی اقدار (social values) ہیں کہ جن کا ہم خیال رکھتے ہیں۔

اس دہریے کا کہنا یہ تھا کہ اگر ہم یہ وصیت کر جائیں کہ ہماری نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے تو اس سے ہمارے رشتہ داروں کی دل آزاری ہوگی' لہٰذا ہم اس سے منع نہیں کرتے۔اسی طرح ''جزاک اللہ'' یا ''السلام علیکم'' کے الفاظ ہم سماج اور رواج کی وجہ سے ادا کرتے ہیں اور رشتوں کی حرمت اور حلت کا مسئلہ بھی معاشرتی ہے۔مذہبی حلال وحرام کی پرواہ وہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ معاشرے سے ہم آہنگ رہنا چاہتے ہیں اور معاشرہ چونکہ مذہبی ہے لہٰذا انہیں معاشرے کی مذہبی اخلاقیات کا دھیان کرنا پڑتا ہے۔(۳۲)

اس دن سے مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ دہریت اور الحاد کچھ مذہبی شعائر یا مظاہر کا انکار کرنے کا ہی نام نہیں ہے بلکہ دہریت اور الحاد ایک سوچ اور ایک فکر ہے۔اور اس فکر کے حاملین بہت سمجھداری سے کام کررہے ہیں کہ وہ ایک مسلمان کو نماز' روزے سے منع نہیں کرتے' مذہب پر عمل کرنے سے منع نہیں کرتے' بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ مذہب پر عمل کرو تاکہ معاشرے میں اجنبی نہ بن جاؤ' اچھے انسان کہلاؤ اور پھر ایک دہریے کی سوچ کے ساتھ زندگی گزارو اور دہریت اور الحاد کی تبلیغ کرو۔(۳۳)

پاکستانی ملحدین سے بات چیت کے بعد ایک سنجیدہ شخص کا احساس یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی مذاق (joke) سے کم نہیں ہیں۔ان میں کچھ تو نوجوان ہیں جو اپنے دہریے (atheist) ہونے پر بڑا فخر کرتے ہیں اور ان کی زندگی کا کل مقصود یہ ہے کہ انہیں اپنے خیالات جیسی کوئی لڑکی (female atheist) مل جائے اور اس کے بعد کی کہانی واضح ہے۔ان میں بعض وہ ہیں جو اپنے آپ کو مفکر (intellectual) ثابت کرنے لیے ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ انہیں معاشرے میں اتنی توجہ نہیں مل سکی جتنی کہ ان کی خواہش تھی۔اور بعض وہ ہیں جو نیوٹن کے حرکت کے تیسرے قانون کے عین مطابق مولوی کا ردعمل (reaction) ہیں۔اور بعض وہ ہیں کہ جنہیں بچپن میں گھر سے کم توجہ ملی اور اب انہیں خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

ان میں سے اکثر وبیشتر مذہب اور مذہبی تعلیمات پر لعن طعن کر کے اپنے اندر کی گھٹن باہر نکالتے رہتے ہیں اور اگر زیادہ کسی نے علمی میدان میں کوئی بہت تیر مار لیا تو کسی انگریز ملحد کی کتاب کا اردو ترجمہ کر دیا اور اس فخر کے

ساتھ جیسے اندھیروں میں علم کی مشعل روشن کر دی ہو' بھلے اردو میں لفظ مشعل کا صحیح تلفظ بھی معلوم نہ ہو(۳۴)۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اصل کتاب اگر فنی ہو تو اردو ترجمے سے زیادہ انگریزی میں زیادہ سمجھ آتی ہے۔ ان سب رویوں کے بارے میں ہمارے پاس پریشان خیال دہریہ (confused atheist) کی ایک اصطلاح موجود ہے۔

(۳) الحاد کی اقسام اور اسباب

الحاد کو سمجھنے کی غرض سے ہم اسے کئی قسموں میں بانٹ سکتے ہیں' جیسا کہ علمی الحاد' نفسانی الحاد' نفسیاتی الحاد' معاشرتی الحاد' وغیرہ۔ علمی الحاد بہت ہی نادر ہے کہ جس میں کسی شخص کو علمی طور پر خدا کے وجود کے بارے میں شکوک وشبہات لاحق ہو جائیں۔ اور یہ لوگ دنیا میں گنے چنے ہیں جیسا کہ فلاسفہ اور نظریاتی سائنسدانوں کی جماعت۔ خدا کے بارے میں علمی وسوسہ پیدا ہونا تو عام ہے' جیسا کہ روایات میں ملتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی وسوسہ پیدا ہو جاتا تھا اور اس وسوسے کے پیدا ہونے کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عین ایمان قرار دیا ہے(۳۵)۔ لیکن دل میں شک کا گھر کر جانا تو یہ ایمان کے منافی ہے اور یہ عین الحاد ہے اور یہ بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے' کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے(۳۶) لہٰذا اس کا سارا شرف اسی کو جاتا ہے کہ جو اس خلجان آمیز شک کی آگ میں اپنے آپ کو ڈالنے کا سبب بنتا ہے۔ اس کے سبب پر کچھ روشنی ہم آگے چل کر ڈالیں گے۔

نفسانی (sensual) الحاد ہمارے معاشروں میں بڑے پیمانے پر موجود ہے کہ جس میں ایک شخص کو خدا کے وجود کے بارے میں شکوک وشبہات علمی طور تو لاحق نہیں ہوتے' بلکہ وہ اپنی خواہش نفس کے سبب خدا کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کرتا ہے۔ اس قسم کا ملحد عموماً اپنے آپ کو بھی دھوکا دے رہا ہوتا ہے اور اپنی خواہش کو علم سمجھ رہا ہوتا ہے۔ دیسی ملحدوں کی بڑی تعداد ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہے۔ خواہش پرست انسان کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل میں موجود ہر رکاوٹ کو ختم کرنا چاہتا ہے' لہٰذا جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ خدا' مذہب اور آخرت کے تصورات اس کی خواہشات کی تکمیل میں اس طرح رکاوٹ بنتے ہیں کہ اس کا ضمیر اسے کچوکے لگا لگا کے تنگ کرتا رہتا ہے تو وہ ضمیر کی اس ملامت سے بچنے کے لیے اپنے زبانی لعن طعن سے اپنے شعور کو اس بات پر قائل کرنے کی ناکام کوشش میں لگ جاتا ہے کہ کوئی خدا' سچا مذہب اور آخرت موجود نہیں ہے۔(۳۷)

نفسیاتی الحاد وہ ہے کہ جس کا سبب انسان کے نفسیاتی مسائل ہوں۔ ہمارے ایک دوست نے الحاد اور دہریت کی طرف مائل ہونے والے لوگوں سے یہ جاننے کے لیے انٹرویوز کیے کہ وہ کس وجہ سے دہریت کی طرف مائل ہوئے۔ اس سروے کے مطابق الحاد کی طرف مائل ہونے کا ایک بڑا سبب مذہبی لوگوں کے غلط رویے بھی ہیں کہ جن کے ردعمل میں بعض لوگ ملحد بن جاتے ہیں اور اس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

علمی الحاد کا سبب صرف ایک ہے اور وہ ہے فلسفہ' چاہے فلسفہ برائے فلسفہ ہو یا ''فلاسفی آف سائنس'' ہو۔ قدیم دور اور قرون وسطیٰ (middle ages) میں الحاد کا سب سے بڑا سبب فلسفہ ومنطق تھا' لہٰذا اُس دور میں فلسفہ ومنطق کا رد وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ عصر حاضر میں الحاد کا سب سے بڑا سبب نظریاتی سائنس ہے

لہٰذا اس دور میں فلسفے کا رد بے معنی اور ''فلاسفی آف سائنس'' کا رد وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اسٹیون ہاکنگ' رچرڈ ڈاکنز اور کارل ساگاں کے دور میں کانٹ اور نطشے کو جواب دینا عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

ہم ذرا اس پر غور کر لیں کہ ہمارے اردگرد کتنے ملحد ایسے ہیں جو ہمیں ارسطو کی منطق یا کانٹ کی عقل محض سے دلیل دیتے نظر آتے ہیں؟ دو چار بھی نہیں۔ آج کے ملحد وہ ہیں جن کی کل دلیل بگ بینگ یا ارتقاء وغیرہ کے نظریات ہیں۔ آج اگر ایک ارب سے زائد کسی کتاب کے نسخے فروخت ہوتے ہیں تو وہ اسٹیون ہاکنگ کی کتاب ہے کہ جو اپنی آخری کتاب The Grand Design کے مقدمے میں یہ اعلانِ عام کر چکا ہے کہ فلسفہ مر چکا ہے اور اب ہم سائنسدانوں کے دور میں سانس لے رہے ہیں۔ (۳۸)

(۴) الحاد کا رد

الحاد کے رد کے بارے میں ایک بات تو یہ ہے کہ الحاد اصلاً ہماری تہذیب کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مغربی تہذیب سے درآمد شدہ ہے' لہٰذا الحاد کا رد مسلم تہذیبوں میں کوئی مستقل کام نہیں بلکہ ایک عارضی اور وقتی ضرورت ہے۔ آپ کو کوئی دیسی ملحد ایسا نہیں ملے گا کہ جس پر مغرب کا ٹھپہ نہ ہو۔ یہ لوگ اپنی سوچ سے ملحد نہیں بنے بلکہ الحاد ان میں باہر سے انڈیلا گیا ہے' چاہے فلاسفی آف سائنس کے مباحث کے مطالعے کے راستے' چاہے انگریزی ادب کے مطالعے کے راستے' چاہے ہالی وڈ کی فلموں اور مووِیوں کے راستے' چاہے فلسفہ اور سائنس کی درسی کتابوں کے ذریعے' چاہے معاشرے میں موجود الحاد سے متاثر افراد سے میل جول کے راستے' وغیرہ۔

ہمیں ذہنی اور نفسانی الحاد کا نفسیاتی تجزیہ بھی کرنا چاہیے۔ نفسانی ملحد عام طور پر وہ ہوتے ہیں کہ جنہیں گھر میں بچپن میں کم توجہ ملی ہو یا وہ معاشرے میں اس سے زیادہ توجہ کے خواہاں ہوتے ہیں کہ جتنی انہیں مل رہی ہوتی ہے' لہٰذا وہ معاشرے میں توجہ حاصل کرنے کی شعوری اور لاشعوری کوششوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ خدا اور مذہب کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کر کے وہ جلد ہی لوگوں میں توجہ حاصل کر سکتے ہیں تو وہ اس قسم کی حرکتیں شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو علمی جواب دینا وقت کا ضیاع ہے۔ آپ اگر ان کا علاج چاہتے ہیں تو انہیں توجہ دیں' انہیں ان کے اہم ہونے کا احساس دلائیں' انہیں وقت دیں' ان کا مسئلہ ختم ہونا شروع ہو جائے گا۔

اسی طرح ذہنی الحاد کا نفسیاتی جائزہ لیں تو اس کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ کثرت سے فلسفیانہ مباحث کا مطالعہ ہے۔ انسان کی ذہنی ساخت کچھ ایسی ہے کہ اگر سارا دن مرغیوں کے بارے میں پڑھے گا تو خواب میں بھی اس کو مرغیاں ہی نظر آئیں گی۔ تو اگر ایک شخص تسلسل سے خدا کے وجود کے بارے میں شکوک وشبہات پر مبنی لٹریچر کا مطالعہ کرے گا یا ٹیلی ویژن سیریز دیکھے گا تو اسے بیداری تو کیا' خواب میں بھی اعتراضات ہی سوجھیں گے۔ تو الحاد انسان کا فطری مسئلہ کبھی بھی نہیں رہا ہے' نہ علمی الحاد اور نہ نفسانی' سب خارجی اسباب کی وجہ سے ہے۔ آپ اس سبب کو تلاش کر کے دور کر دیں' الحاد ختم ہو جائے گا۔

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ وجود اور علم کے بارے میں سوالات کا سبب انسان کا فطری تجسس ہے۔ یہ تجسس بھی

بڑا سمجھدار ہے کہ انہی کو پیدا ہوا کہ جو فلسفیانہ مباحث کا مطالعہ کر چکے اور فلسفیانہ مجالس میں زندگی کا ایک حصہ گزار چکے تھے' یہ کسی ڈھور ڈنگر چرانے والے دیہاتی کو پیدا نہیں ہوا۔ ایک خاص فلسفیانہ ماحول میں رہنے کے بعد آپ پر جب اس کے اثرات ظاہر ہوں اور آپ کچھ سوالات پر سوچنا شروع کر دیں تو آپ اسے فطرت قرار دے دیں' یہ کہاں کا انصاف ہے؟

قرآن مجید الحاد کو علم کے مقابلے میں ظن وتخمین سے زیادہ مقام نہیں دیتا اور فلاسفی کل کی کل ظن وتخمین ہی ہے۔ کیا ''فلاسفی آف سائنس'' ظن وتخمین نہیں ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾﴾ (الجاثیہ)

''اور ان کا کہنا یہ ہے کہ زندگی تو بس یہی دنیا کی زندگی ہی ہے' ہم زندہ ہوتے ہیں اور مرتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ ہی مارتا ہے۔ حالانکہ انہیں اس بارے کچھ علم نہیں ہے' وہ صرف ظن وتخمین سے کام لیتے ہیں۔''

(۵) الحاد کا علاج

پھر الحاد کے رد اور اس کے علاج میں بھی فرق ہے۔ الحاد کے رد سے لوگ مسلمان نہیں ہوتے ہیں' بلکہ ملحدوں کا شر کم ہو جاتا ہے۔ الحاد کے علاج سے مراد یہ ہے کہ ہمارا مقصد ملحدوں کو لاجواب کرنے کی بجائے دین کی طرف راغب کرنا ہے اور علاج میں عقلی ومنطقی دلیلیں کم ہی مفید ہوتی ہیں۔ الحاد کا اصل علاج قلبی اور اخلاقی ہے کہ جو نبیوں اور رسولوں کا طریق کار تھا' یعنی صحبت صالحین یا قرآن مجید کی صحبت اختیار کرنا' وغیرہ۔ قرآن مجید کی صحبت سے مراد قرآن مجید سے تعلق کا وہ درجہ کہ جس کے اہل کو حدیث میں ''صاحب قرآن'' کہا گیا ہے۔ یا ملحدوں کو اعلیٰ اخلاق سے قائل کرنا' وغیرہ۔

الہامی کتابوں اور رسولوں کی دعوت میں الحاد کے علاج کا طریقہ کار عقلی ومنطقی نہیں بلکہ فطری وقلبی ہے۔ ہماری رائے میں اصولی بات یہی ہے کہ دل پہلے اپنے رب کی طرف جھکتا ہے' ذہن بعد میں اس سے اطمینان حاصل کرتا ہے۔ دل کے جھکنے کے بعد آپ کا ذہن خدا کے انکار کی دلیل کو اس کے وجود کی دلیل بنا کر دکھا دے گا۔ ذہن کا کیا ہے' وہ تو کرائے کا ٹٹو ہے' کسی طرف بھی چل پڑے تو اس کے دلائل سمجھنا تو کجا ان کے انبار لگانا شروع کر دیتا ہے۔ اگر محض عقل ومنطق سے کسی کو خدا سمجھ میں آتا تو آدھے سے زیادہ فلسفی مسلمان ہوتے' لیکن نصف تو کجا ہمیں تو پچھلی اڑھائی ہزار سالہ تاریخ فلسفہ میں دو چار بھی نہیں ملتے۔ الہامی کتابوں اور رسولوں کا خدا تک پہنچانے کا طریقہ بہت مختلف ہے' اور وہ یہ ہے کہ خدا باہر سے تمہارے ذہن میں نہیں ڈالا جا سکتا' بلکہ تمہارے اندر سے اُگلوایا جائے گا' اور یہ سب صحبت سے ہی نصیب ہوتا ہے۔

اور جو لوگ معاشرے' مدرسے' مذہبی عناصر کے غلط رویوں کے ردِعمل میں ملحد بن جاتے ہیں تو ان کا علاج اسی صورت ممکن ہے کہ آپ ان سے دوستی کریں' انہیں دلاسہ دیں' ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کریں' اعلیٰ اخلاقیات کا مظاہرہ کریں' اور انہیں یہ واضح کریں کہ اسلام اور مسلمان میں بہت فرق ہے۔ اگر کچھ لوگ مذہبی حلیہ اختیار کر

کے کسی ناروا حرکت کا ارتکاب کرتے ہیں تو یہ ان کا ذاتی فعل ہے اور اس کا سبب ان کا مذہب ہرگز نہیں ہے۔

الحاد کا سبب بعض اوقات آزمائش بھی بتلایا جاتا ہے۔ایک خاتون پر کوئی آزمائش آئی جو کہ چار سال جاری رہی اور وہ اس دوران اللہ سے اس کے ٹلنے کی دعا کرتی رہیں اور جب وہ آزمائش ختم نہ ہوئی تو انہوں نے بالآخر خدا کا ہی انکار کر دیا اور ملحدہ بن گئیں۔پس جو لوگ کسی آزمائش کے سبب الحاد کی طرف مائل ہو جاتے ہیں تو انہیں یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ خدا کے انکار سے تمہاری آزمائش ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اور اگر اس آزمائش کے ختم کرنے میں ہم سے کوئی تعاون بن پڑے تو لازماً کرنا چاہیے کہ ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ ملحدین کی دنیاوی مدد کی صورت میں خدا سے ان کا شکوہ وشکایت جاتی رہی اور وہ دوبارہ ایمان لے آئے۔

اس میں یہ بھی اہم ہے کہ عموماً آزمائش میں دعا نہ سننے کا الزام دے کر خدا کا انکار کر کے انسان بظاہر تو ملحد بن جاتا ہے لیکن اس کا دل اندر سے خدا کا قائل ہی رہتا ہے کہ اس کے انکار کی بنیاد یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ خدا منصف اور عادل نہیں ہے۔تو وہ خدا کا انکار نہیں بلکہ اس خدا کا انکار کر رہا ہوتا ہے کہ جو اس کے ذہن میں ہوتا ہے۔اور جو خدا اس کے ذہن میں ہوتا ہے' وہ اس کی اپنی شخصیت کا عکس ہوتا ہے کہ جسے وہ خدا سمجھ لیتا ہے۔خدا دو قسم کے ہیں۔ایک وہ جس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور دوسرا وہ کہ جسے انسان نے بنایا ہے۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ اور جس خدا کو انسان اپنے تخیل اور تصور میں پیدا کرتا ہے' وہ دراصل اس کی اپنی شخصیت کا عکس ہوتا ہے[۳۹]۔لہٰذا یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اس خدا کو مانیں کہ جس کا بیان کتاب وسنت میں موجود ہے' نہ کہ وہ جو کہ ہمارے تخیل اور تصور کی پیداوار ہے۔

راقم کی ایک ایسے ملحد سے بھی بحث ہوئی جو کہ دارالعلوم کے فارغ التحصیل ہیں۔ہم عموماً ایسے ملحدین کے اعتراضات کو علمی سمجھ کر انہیں علمی جواب دینا شروع کر دیتے ہیں جبکہ اس بارے میں سب سے پہلا کام جو ہونا چاہیے وہ یہ کہ اس ملحد سے دوستی کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ اس کے مدرسے کی زندگی میں اس کے ساتھ کوئی جسمانی یا جنسی تشدد تو نہیں ہوا؟ مذہبی لوگ اس قسم کے اسباب پر کوئی بات کرنے سے اس لیے بھی گھبراتے ہیں کہ مذہبیوں کی بدنامی ہوگی۔نہیں' یہ مذہبیوں کی بدنامی نہیں بلکہ اصلاح ہے۔حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ حضرت داڑھی والوں نے چوریاں شروع کر دی ہیں۔انہوں نے جواب میں کہا کہ یوں نہ کہو بلکہ یوں کہو کہ چوروں نے داڑھی رکھ لی ہے۔لہٰذا اگر کچھ بدفطرت لوگوں نے مذہبی بھیس اوڑھ لیا ہے تو ان کی نشاندہی مذہب پر نقد نہیں بلکہ مذہب کی خیرخواہی ہے۔

کچھ دن پہلے انجینئرنگ کے ایک طالب علم میرے پاس آئے اور بات کا آغاز اس طرح سے کیا کہ سر' میں مذہبی ہوں' میرا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے' میں نے مسجد میں چار سال اذان دی ہے' میں اب بھی مسجد سے ظہر کی نماز پڑھ کر آ رہا ہوں' لیکن مجھے کائنات کے بارے میں جاننے کا شوق ہوا تو میں نے ''کوسموس'' کے نام سے ایک ٹی وی سیریز دیکھی کہ جس نے خدا کے بارے میں کچھ تشویش میرے ذہن میں پیدا کر دی ہے۔[۴۰]

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض اوقات ایک مخلص مؤمن بھی خدا کے بارے میں کسی شیطانی وسوسے کے سبب یا کسی ملحد کی مغالطہ آمیز گفتگو کے وجہ سے تشویش کا شکار ہو سکتا ہے۔اس بارے میں ہمیں کچھ بہت ہی

بنیادی باتیں کرنی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خدا کا خالق ہونا انسان کی فطرت میں خود خدا نے رکھ دیا ہے[۴۱] لہٰذا خدا کے بارے میں شبہہ پیدا ہونا آسانی سے ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لیے شیطان اور ملحد کو بہت زیادہ اور مسلسل محنت درکار ہے۔ زیادہ تر ہوتا یہ ہے کہ ایک مخلص مؤمن اپنے مسئلے کا صحیح تجزیہ نہیں کر پاتا کہ جس تشویش کو وہ خدا کے بارے میں شک سمجھ رہا ہوتا ہے وہی دراصل اس کا ایمان ہوتا ہے۔

مثلاً بعض اوقات کائنات اور کوسمولوجی کے بارے میں سائنسدانوں کے نظریات پڑھ سن کر یہ تشویش لاحق ہوسکتی ہے کہ اس بارے میں مذہب اور قرآن مجید جو کچھ بیان کر رہا ہے' سائنس کا علم تو اس کی تائید نہیں کر رہا ہے۔ اب یہ بے چینی اس وجہ سے پیدا نہیں ہوتی کہ خدا کے وجود کے بارے میں شک ہوگیا ہے بلکہ اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ یہ سمجھ نہیں آ رہی ہوتی ہے کہ مذہب اور سائنس' کوسمولوجی کے حاضر علم اور قرآن مجید میں مطابقت کیسے پیدا کی جائے؟ اس کی تشویش کا سبب مذہب اور سائنس میں مطابقت پیدا کرنے کی خواہش رکھنا لیکن اس کی اہلیت نہ ہونا ہے' نہ کہ یہ کہ مؤمن کا دل ملحد کے دلائل سے اطمینان حاصل کر رہا ہے۔ یہ تو پہلی بات ہوئی کہ جس شخص کو خدا کے بارے میں کوئی تشویش لاحق ہو تو وہ پہلے اپنی تشویش کی نوعیت کا گہرائی میں تجزیہ کرے اور پھر علاج کی طرف متوجہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ خدا پر ایمان انسان کی فطرت میں پیدائشی طور پر موجود ہے[۴۲] لہٰذا اس میں شک پیدا کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے ملحد کی حکمت عملی پر غور کریں کہ وہ سادہ لوح مسلمانوں کو شک میں مبتلا کرنے کے لیے ایک دنیا بناتے ہیں' خیالاتی دنیا (Imaginary World)۔ جب آپ ان کی اس تصوراتی دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں کہ جس کے بننے' بگڑنے اور قائم رہنے کے تمام اصول وضوابط بھی انہی کے ہوتے ہیں تو یہ دنیا بظاہر خوبصورت لیکن جھوٹی ہوتی ہے۔ آپ اس دنیا سے مسلسل تعلق رکھنے کی وجہ سے اس کا یقین کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ وہ دنیا صرف آپ کے ذہن میں ہوتی ہے' خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ یہ کمال سب سے پہلے قدیم دور میں سوفسطائیوں نے دکھایا' پھر قرونِ وسطیٰ میں وجودیوں نے اور اب عصر حاضر میں ملحد دکھا رہے ہیں۔

ہوتا یہ ہے کہ جب آپ الحاد اور دہریت پر مسلسل کتابیں پڑھتے ہیں یا ٹیلی ویژن سیریز دیکھتے ہیں تو آپ اس دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں اور یہاں سے ہی آپ کی تشویش کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس تشویش کا آسان اور ابتدائی علاج یہی ہے کہ سب سے پہلے الحاد اور دہریت کا مسلسل مطالعہ یا شب وروز ان کی ٹیلی ویژن سیریز دیکھنا ترک کریں اور حقیقی دنیا میں واپس آنا شروع کریں۔ آپ چاہے اس دوران مذہب کا مطالعہ نہ بھی کریں' صرف آپ دہریت کا مطالعہ یا اس کی سیریز دیکھنا بند کر دیں تو چند دنوں میں آپ بھلے چنگے ہو جائیں گے' کیونکہ آپ ان کی بنائی ہوئی جھوٹی دنیا سے باہر نکل آئیں گے جو انہوں نے صرف اپنی چرب زبانی اور قوتِ فعالیت کے غیر معمولی استعمال سے آپ کے خیالات میں پیدا کر رکھی ہے' لہٰذا آپ کی توجہ بٹی نہیں' آپ ان کے سحر سے نکل گئے اور ان کی بنائی ہوئی دنیا بھی غائب ہوگئی۔ انسان کس طرح جانتے بوجھتے جھوٹ کو بھی حقیقت سمجھ کر قبول کرنا شروع کر دیتا ہے' اس کا تھوڑا سا اندازہ کسی ایسے جھولے میں بیٹھ کر ہوسکتا ہے کہ جو آپ کو حرکت

کرنے والی کرسی' سامنے لگے پردہ اسکرین اور ساؤنڈ سسٹم کی مدد سے پانچ منٹ میں دیوار چین اور چاند کی سیر کرالاتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ الحاد اور دہریت کوئی علمی مسئلہ نہیں ہے کہ ہم اس کا علمی جواب تلاش کرنے لگ پڑیں۔ خدا کا اس سے بڑا احسان کیا ہے کہ اس نے اپنے وجود کی دلیل میرے اندر رکھ کر مجھے دنیا میں بھیجا ہے۔ خدا پر ایمان کوئی تصور تھوڑا ہی ہے کہ جسے ہم اپنے منطقی دلائل یا جامع و مانع تعریفوں سے مکمل کرلیں۔ خدا کو پالینا تو ایک واقعہ ہے جو کسی بھی وقت ہوسکتا ہے۔ تو خدا کے بارے میں تشویش کا مؤثر ترین علاج خدا کا کلام ہے۔ خدا کے وجود کی دلیل بھی وجودی' حالی اور شعوری ہوتی ہے نہ کہ عقلی و منطقی اور فکری۔

ہم کسی تشویش کے لاحق ہونے کی صورت میں تفسیریں پڑھنے کا مشورہ نہیں دے رہے بلکہ یہ کہ فراغت کے لمحات میں' تنہائی میں' اکیلے میں' مکمل خاموشی میں' کسی مکی سورت کے دو چار رکوعوں کا لفظی ترجمہ اردو میں پڑھیں' اور پھر وہی سورت خوبصورت لب و لہجے میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کسی عربی قاری کی آواز میں اونچی آواز میں سنیں' آپ مخلص ہیں تو خدا کو پالینے کے لیے ایک دفعہ ہی ایسا کرلینا کافی ہے۔ اب آپ کو خدا کے وجود کے لیے کسی عقلی و منطقی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کی آنکھوں سے جاری ہونے والے آنسو خدا کے وجود کی دلیل بن کر گر رہے ہیں [۴۳] اور آپ کا دل خدا کی محبت میں لپک رہا ہے۔

(۶) ''سائنس'' اور ''فلاسفی آف سائنس'' میں فرق

ملحدوں اور دہریوں کے مغالطوں میں سے ایک بہت بڑا مغالطہ جو کہ یہ لوگ سادہ لوح انسانوں کا ایمان بگاڑنے کے لیے استعمال کرتے ہیں' یہ ہے کہ یہ لوگ ''فلاسفی آف سائنس'' کو ''سائنس'' بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ ''لوہے'' کو ''سونے'' میں ملا کر سونے کا تاثر دے کر بیچتے ہیں۔ ''سائنس'' اور چیز ہے اور ''فلاسفی آف سائنس'' اور چیز ہے۔ خالص سائنس (Pure Science) نہ تو خدا کا انکار کرتی ہے اور نہ ہی اثبات۔ البتہ خدا کے اثبات کی ایک علامت ضرور ہوسکتی ہے۔ اس لیے خالص سائنسدان (Pure Scientist) کبھی بھی دہریہ نہیں ہوگا' بلکہ یا تو خدا کا اثبات کرے گا' جیسا کہ اکثر کا معاملہ ہے' یا پھر عاجزی کا اظہار کرے گا کہ مجھے نہیں معلوم' یا یہ کہے گا کہ یہ سائنس کا میدان نہیں ہے۔

ملحد ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ ہم آزاد خیالی (Free Thinking) کے قائل ہیں کہ جسے یہ عقلی تفکر (Rational Thinking) کا نام بھی دیتے ہیں' حالانکہ ان کا سوچ و بچار متعصب اور جانبدار (Biased) ہوتا ہے۔ خدا کے وجود کے بارے میں آزاد خیالی کا نتیجہ لاادریت (Agnosticism) تو ہوسکتا ہے لیکن دہریت اور انکارِ خدا (Atheism) کسی صورت نہیں۔ دہریت اور الحاد کا مطالعہ بتلاتا ہے کہ وہ ایک جارحانہ رویہ (aggressive attitude) ہے لہٰذا کسی صورت حقیقت کی طرف رہنمائی کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا ہے۔ اور جہاں تک لاادریت کا معاملہ ہے تو اس کا علاج علم سے ہوسکتا ہے۔

''فلاسفی آف سائنس'' نرا الحاد ہے جو سائنس کے نام سے پڑھا پڑھایا جا رہا ہے۔ ''فزکس''

کہ جس کا لیبارٹری میں اثبات کیا جاتا ہے' وہ خالص سائنس کا میدان ہے اور ''نظریاتی فزکس'' کے اکثر مباحث ''ظن وتخمین'' سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ اسٹیون ہاکنگ' کارل ساگاں اور رچرڈ ڈاکنز تینوں یہی کرتے ہیں کہ ''فلاسفی آف سائنس'' کو ''سائنس'' بنا کر پیش کرتے ہیں۔ نظریاتی سائنس میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے' وہ سائنس کا مذہبی ورژن ہے کہ جسے ماننے کے لیے سائنسدانوں پر اس سے زیادہ ایمان لانا پڑتا ہے کہ جتنا کسی نبی اور رسول پر ایمان لانے کا مطالبہ ہے۔ ثقبِ کُرم (worm hole)' ثقب اسود (Black holes)' متوازی زمین (parallel earth)' کثیر کائنات (multiverse) کے تصورات سائنس کی دنیا کے ''ہیری پوٹر'' (Harry Potters) نہیں تو اور کیا ہیں؟ ان میں اور مذہبی معتقدات پر ایمان لانے میں کتنا فرق ہے؟ (۴۴)

(۷) مذہبی معتقدات اور سائنسی ایمانیات: (Religious Doctrines and Scientific Beliefs)

فرشتوں کے وجود پر یقین رکھنا سائنسی طرزِ فکر نہیں ہے' البتہ خلائی مخلوق (aliens) کے وجود پر ایمان لانا عین سائنسی طرزِ فکر ہے؟ کیا یہ دوغلی پالیسی نہیں ہے کہ جو ملحدوں نے اختیار کی ہوئی ہے؟ جب سے اسٹیون ہاکنگ نے کہا ہے کہ ان کا سائنسی دماغ یہ کہتا ہے کہ ہماری زمین کے علاوہ بھی کسی سیارے پر کوئی مخلوق آباد ہے' اس وقت سے ناول نگاروں اور مووی میکروں کی چاندی ہوگئی ہے۔ اور تو اور ''ٹام اینڈ جیری'' بھی مریخ پر خلائی مخلوق سے ملاقات کر کے واپس آ چکے ہیں۔ اب بھی اگر مؤمن نہ مانیں تو ملحد انہیں دقیانوس' سائنس مخالف' مذہبی ملا نہ کہیں تو کیا کہیں؟ اور اب تو سائنسی عقیدہ صرف خلائی مخلوق کے وجود کا نہیں ہے بلکہ اس کا نیا ورژن یہ ہے کہ یہ خلائی مخلوق اس دنیا پر حملہ کر کے انسانوں کو تباہ کر دے گی اور یہ کسی سائنسی فلم کے ہیرو کا ڈائیلاگ نہیں بلکہ اسٹیون ہاکنگ جیسے سائنسدان کے خیالات عالیہ ہیں جو ''دی گارڈین'' میں شائع ہو رہے ہیں (۴۵)۔ اور ناسا (NASA) نے نہ صرف خلائی مخلوق کی کھوج شروع کر دی ہے بلکہ انہوں نے 2025ء تک انہیں ڈھونڈ نکالنے کی پیشین گوئی بھی کی ہے۔ (۴۶)

ہاں' مؤمنوں کو خلائی مخلوق کے وجود کی دلیل چاہیے تو Tom and Jerry: Blast Off to Mars دیکھ لیں۔ خلائی مخلوق کے نام پر فلم انڈسٹری کی ریٹنگ جاری ہے تو سائنسدانوں کی فنڈنگ۔ اسٹیون ہاکنگ کو جو خیالات چھو گزرتے ہیں' وہ وحی کا مقام رکھتے ہیں کہ ان پر کوئی سوال یا اعتراض ''مذہب سائنس'' سے بغاوت کا اعلان کرنے کے مترادف ہے کہ جس کی کم از کم سزا ''جہالت کا سرٹیفکیٹ'' ہے جو آپ کو فوراً عطا کر دیا جائے گا۔ باقی' فرشتوں پر ایمان لانے کے لیے ضروری ہے کہ سائنسی اور عقلی طرزِ فکر اپنایا جائے' لیکن خلائی مخلوق پر ایمان لانے کے لیے سائنسدانوں کا اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ اس کا وجود ہے' لہٰذا اب خلائی مخلوق کا وجود سائنسی طرزِ فکر سے ثابت شدہ امر بن چکا ہے۔ اور اگر مؤمنوں نے سائنس دشمنی میں نہیں ماننا' تو نہ مانیں۔

امر واقعہ یہ ہے اور ہم بار بار اس کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ ہم کلاسیکل سائنس کے دور سے ماڈرن سائنس کے دور میں داخل ہو چکے ہیں جو کہ اکثر و بیشتر نظریاتی سائنس ہے اور اپنے ثبوت میں مذہب کی طرح اندھے ایمان (blind faith) کی متقاضی ہے۔ کشش ثقل (gravity) اور ردعمل کا قانون وغیرہ کلاسیکل

فزکس کے موضوعات ہیں کہ جن کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ ماڈرن فزکس کے موضوعات ما بعد الطبیعی (metaphysical) ہیں جو کہ مذہب کے ہیں۔ اوران موضوعات پر سائنسدانوں کے غور وفکر کرنے اوران کو ثابت کرنے کا طریق کار بھی کل کا کل مذہبی نوعیت ہی کا ہے۔

ملحد واقعہ معراج پر اعتراض کرتے ہیں لیکن چاند پر لینڈنگ پر ایمان رکھتے ہیں (۴۷) حالانکہ انہوں نے دونوں کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔ تو یہ فرق کیوں ہے؟ ہمیں یہ کہنا ہے کہ ماڈرن سائنس اور مذہب دونوں کا راستہ ایک ہی ہے' دونوں اپنے ماننے والوں سے ایمان بالغیب کا تقاضا کرتے ہیں' لہٰذا ''اہل سائنس'' کا ''اہل مذہب'' کو مذہبی معتقدات پر کوسنا درست نہیں ہے کہ مذہب کا طریقہ سائنسی نہیں ہے' جبکہ خود ''اہل سائنس'' کا سائنسی ایمانیات کے ثبوت کا طریق کار سائنسی نہیں مذہبی رنگ لیے ہوئے ہے۔

دراصل ماڈرن سائنس اور مذہب دونوں کا طریقہ مذہبی ہے' کیونکہ اہل سائنس اس قسم کے کئی ایک اعتقادات رکھتے ہیں کہ جن کی تصدیق (verification) کے بقیہ دنیا کے پاس نہ تو آلات (tools) ہیں اور نہ ہی ذرائع (resourses)۔ بقیہ دنیا اگر سائنسدانوں کی ان باتوں کو مانتی ہے تو صرف ایک ہی راستے سے اور وہ سائنسدانوں پر ایمان اور یقین لانے کا راستہ ہے کہ وہ اس بارے میں سچ کہہ رہے ہیں' جیسا کہ مذہبی لوگوں کو یہ یقین ہوتا ہے کہ نبی اپنے بیان میں سچ ہی ہے۔

جس طرح مذہب میں کچھ باتیں بنیادی عقائد کے طور مانی جاتی ہیں' اسی طرح سائنس میں بھی ''ایمانیات'' کا ایک لمبا چوڑا سلسلہ موجود ہے۔ اگر آپ ان سائنسی عقائد میں سے کسی عقیدے کے بارے میں کوئی شبہ تو کجا کسی عقلی و منطقی سوال کا بھی اظہار کر دیں تو لوگ آپ کو بے وقوف' جاہل' ان پڑھ' مولوی' معلوم نہیں کیا کچھ کہیں گے۔

نظریاتی سائنس میں بڑی تعداد میں ملحدین موجود ہیں جو اپنے نظریات کے حق میں دلیل تلاش کم کرتے ہیں اور گھڑتے زیادہ ہیں۔ کبھی خلائی مخلوق (alines) کے ثبوت کے لیے ان کو اُڑن طشتریاں (UFO) نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں اور کبھی ارتقاء کو ثابت کرنے کے لیے انہیں لاکھوں سال پرانے انسان کی کھوپڑی مل جاتی ہے۔ ہماری نظر میں عصر حاضر میں سائنسی معتقدات کے ایک تنقیدی مطالعہ کی ضرورت ہے تا کہ سائنس کے نام پر توہم پرستی' مکر وفریب' جھوٹ و دجل وغیرہ سے سادہ لوح انسانوں کا ایمان محفوظ کیا جا سکے۔

(۸) مذہب' سائنس اور سوال

ایک مقام ایسا ہے کہ جہاں پہنچ کر مذہب اور سائنس دونوں سوال کو پسند نہیں کرتے۔ لہٰذا ملحدین کا اہل مذہب کو اس کا طعنہ دینا درست نہیں ہے کہ وہ بعض مقامات پر سوال کو شیطان کا وسوسہ قرار دیتے ہیں کہ یہی ملحد بعض مقام پر سوال کو لایعنی قرار دے رہے ہوتے ہیں۔ مذہب اور سائنس دونوں کا فکری قالب (Paradigm) اگرچہ مختلف ہے لیکن اس کے باوجود سوال کے بارے میں ایک مقام پر جا کر دونوں کی روش (approach) یکساں ہو جاتی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ شیطان تم میں سے کسی کے پاس آ کر کہتا ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا' اس کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ تم سے یہ بھی کہتا ہے کہ خدا کو کس نے پیدا کیا؟ تو جب تم میں سے کوئی شخص اس مقام پر پہنچے تو فوراً اللہ کی پناہ مانگے اور اس میں غور کرنے سے باز رہے۔ (۴۹)

اسی طرح اکیسویں صدی عیسوی کے نامور سائنسدان اسٹیون ہاکنگ یہ کہتے ہیں کہ بگ بینگ سے پہلے کیا تھا' یہ ایک لایعنی سوال ہے (۵۰)۔ یعنی یہ سوال کرنا ہی غیر ضروری ہے کہ جب وقت اور مکان (Time and Space) کا آغاز ہی بگ بینگ سے ہوا تو اس پہلے کیا تھا؟ کا سوال لایعنی قرار پاتا ہے۔ لیکن یہی روش مذہبی لوگ جب خدا کے بارے میں سوال کے جواب میں اختیار کرتے ہیں تو اسے غیر سائنسی رویہ قرار دیا جاتا ہے۔ پس ملحدوں سے عرض ہے کہ خدا کے وجود پر غور ضرور کریں لیکن اتنا نہ کریں کہ ''بھیجا'' ہی باہر آ جائے۔

(۹) شبہ کا عنصر (element of doubt)

خالق نے مخلوق کے لیے ہر معاملے میں شبہ کا ایک عنصر باقی رکھا ہے اور اس عنصر کے باقی رکھنے کا مقصد آزمائش اور اختیار ہے۔ اگر شبہ ختم ہو جائے تو انسان کی آزمائش اور اختیار ختم ہو جائے' اور انسان جب تک اس دنیا میں ہے' آزمائش اور اختیار میں رہنا اس کا مقدر ہے۔ انسان کی آزمائش اور امتحانی اختیار اسی صورت ختم ہوگا جبکہ اس دنیا کا خاتمہ ہو جائے۔

شبہ کا یہ عنصر اس قدر عام ہے کہ خود خالق نے اپنے بارے میں بھی اس کو برقرار رکھا ہے کہ اسی میں انسان کا امتحان اور اختیار ہے۔ پس کسی انسان کو اللہ' رسول' کتاب اور آخرت کے بارے میں کوئی شبہ اور وسوسہ لاحق ہو سکتا ہے۔ انسان کے اختیار کا امتحان اس میں ہے کہ وہ اس شبہے کے عنصر کو رد کر کے دنیا کی آزمائش میں کیسے کامیاب ہوتا ہے؟ جو اس شبے کے امتحان میں کامیاب ہو جائے تو وہ مؤمن کہلاتا ہے اور جو ناکام ہو جائے تو ملحد بن جاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ کی امت میں سے ہمیشہ لوگ یہ کہتے رہیں گے کہ اسے تو اللہ نے پیدا کیا اور اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ (۵۱) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ! تم سے لوگ ہمیشہ یہ سوال کرتے رہیں گے کہ فلاں کو تو اللہ نے پیدا کیا اور اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ (۵۲) اور شبہے یا وسوسے کا پیدا ہونا ایمان کے لیے مضر نہیں ہے بلکہ یہ تو عین ایمان ہے اور صحابہ بھی اس سے بری نہیں تھے۔ کچھ صحابہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: اے نبی ﷺ! ہمیں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ہم انہیں زبان پر لانا بھی مناسب نہیں سمجھتے۔ آپؐ نے پوچھا: ''کیا واقعتاً ایسا ہے؟'' تو انہوں نے کہا: جی ہاں' آپؐ نے کہا: ''یہ تو صریح ایمان ہے'' (۵۳)۔ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس تابعی کے سوال پر ہنستے ہوئے کہا کہ اس وسوسے سے تو کوئی بھی بچ نہیں پایا ہے۔ (۵۴)

بعض ملحدین یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ حق ان کے لیے ایسے واضح ہو جائے کہ اس میں سے شبہے کا عنصر ختم ہو

جائے۔تو یہ اس دنیا میں ممکن نہیں ہے' البتہ آخرت میں ممکن ہے' بلکہ آخرت میں ایسا ہی ہوگا۔فرشتوں کے لیے شبے کا عنصر نہیں ہے' لہٰذا ان کے لیے امتحان اور اختیار بھی نہیں ہے۔اگر انسانوں کے لیے بھی شبہے کا عنصر ختم ہو جائے تو ان کا امتحان اور اختیار دونوں ختم ہو جائے۔

اگر انسان اللہ کو اس طرح سامنے دیکھ لے جیسا کہ آخرت میں دیکھے گا یا جنت وجہنم کا اس دنیا میں اس طرح نظارہ کر لے جیسا کہ آخرت میں کرے گا تو اب اس سے ایمان کے مطالبے میں کیا امتحان باقی رہ جائے گا؟ قرآن مجید نے جا بجا یہ واضح کیا ہے کہ کافر جب جہنم کو دیکھیں گے تو اپنے ایمان کا اظہار کریں گے لیکن ان کا وہ ایمان مقبول نہ ہوگا' کیونکہ ایمان وہی قابل قبول ہے جو کہ شبہے کے عنصر کے ساتھ ہو کہ یہی ایمان' امتحان کہلانے کے لائق ہے۔(۵۵)

اسی طرح سورۃ الانعام میں ہے کہ مشرکین مکہ بار بار آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ہمیں فلاں معجزہ دکھا دیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔مشرکین کا یہ مطالبہ اصرار کے ساتھ کئی سال جاری رہا لیکن اللہ عزوجل نے ہر بار اپنے نبی ﷺ سے یہی کہا کہ اللہ نے انہیں وہ معجزہ نہیں دکھانا کہ جس کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ انہیں معجزہ چاہیے تو وہ یہی کلام' قرآن مجید ہے۔مشرکین نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ہمارے سامنے آپ پر فرشتہ نازل ہو تو ہم ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ فرشتہ جب نازل ہوگا تو وہ عذاب لے کر ہی آئے گا(۵۶)۔یعنی میں فرشتہ تو تمہیں دکھا دوں گا لیکن اس کے بعد تمہارے ایمان کا فائدہ؟

ایک اور جگہ قرآن مجید میں کہا کہ یہ ملحد اس کے انتظار میں ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کا رب ان کے پاس آئے یا ان کے رب کی نشانیاں ان کے پاس آئیں' لیکن کافر یہ جان لیں کہ جس دن ان کے رب کی بعض نشانیاں ان کے سامنے آ جائیں گی تو اس دن انہیں ان کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ایک اور جگہ قرآن مجید میں کہا کہ اگر اللہ چاہے تو ان کافروں کے لیے آسمان سے ایسی نشانی نازل کر دے کہ ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں(۵۷) لیکن اللہ ایسا نہیں کرتا' کیونکہ اس صورت میں انسان کا اختیار اور امتحان دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔

قوموں نے رسولوں کی زندگی میں ان کا انکار کیا اور آج کل کے ملحدوں نے تو رسولوں کو دیکھا بھی نہیں' لہٰذا مؤمنوں کو اس پر حسرت نہیں کرنی چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں ہے کہ جس کے سامنے ایک ملحد بے بس ہو جائے۔اور جو کچھ دین اسلام کی تعلیمات موجود ہیں اور ان میں کچھ شبہ وغیرہ کبھی محسوس ہو تو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے کہ یہی تو عین امتحان ہے۔

(۱۰) خدا کے وجود کے دلائل

خدا کے وجود کے بہت سے دلائل ہیں کہ جو اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہیں۔مثال کے طور پر مذہبی تجربہ (religious experience) اس کے وجود کی ایک صریح دلیل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہے:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ

زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ ﴾ (النور)

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (مؤمن کے دل میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو' چراغ ایک فانوس میں ہو' فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا' اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو شرقی ہو نہ غربی' جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو' چاہے آگ اس کو نہ لگے' (اِس طرح) نور اللہ پر نور ہو۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے' وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔''

اور ایمان محض اندھے یقین (blind faith) کا نام نہیں بلکہ ایک تجربہ (experience) بھی ہے' جیسا کہ نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ :مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا' وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ' وَمَنْ يَكْرَهُ اَنْ يَعُوْدَ فِى الْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ' كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُلْقٰى فِى النَّارِ)) (۵۹)

''جس میں تین چیزیں ہوں تو وہ ایمان کی مٹھاس چکھ لے گا: (۱) جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہر چیز سے زیادہ محبت رکھتا ہو' (۲) جو کسی شخص سے محض اللہ کے لیے محبت رکھتا ہو' اور (۳) جو کفر کی طرف لوٹ جانے کو ایسے ناپسند جانتا ہو جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو اس کے بعد کہ اللہ نے اسے اس کفر سے نکال دیا ہو۔''

اسی طرح دنیا میں لاکھوں انسانوں کو اس کا تجربہ ہوتا ہے کہ وہ کسی مشکل گھڑی میں اپنے رب کو پکارتے ہیں تو ان کی مصیبت دور ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات تو دنیاوی علوم کے مطابق آزمائش کے ٹل جانے یا دعا کے پورا ہو جانے کی سوائے ''خدا کی مدد'' (intervention of God) کے اور کوئی توجیہہ ممکن نہیں ہوتی' مثلاً کینسر کے آخری مرحلے کے مریض دعا کے نتیجے میں صحت یاب ہو جاتے ہیں یا بانجھ (sterile) کو اولاد مل جاتی ہے۔

شیخ بن باز رحمہ اللہ کے پاس ایک دہریہ (atheist) آیا اور ان سے کافی دیر تک خدا کے وجود کے بارے میں سوالات کرتا رہا اور شیخ اس کے سوالات کے جوابات دیتے رہے' یہاں تک کہ اس نے تنگ آ کر کہا: کیا آپ کو کبھی خدا کے وجود کے بارے میں شک نہیں ہوا؟ شیخ نے کہا: نہیں' اور یہ تمہاری بدبختی ہے کہ تمہیں خدا کے وجود کے بارے میں شک پیدا ہوا ہے۔ اسی لیے تو قرآن مجید نے مشرکین کے انکار پر حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہو گیا ہے؟ (۶۰)

شیخ کے اس جواب میں کوئی بناوٹ یا مصنوعیت نہیں تھی۔ آپ آج بھی پاکستان کے کسی بھی گاؤں کی مسجد میں پنج وقتہ نمازی اَن پڑھ بوڑھے بابا جی سے سوال کر لیں کہ انہیں اپنی زندگی میں کبھی خدا کے نہ ہونے کے بارے میں سوال پیدا ہوا تو جواب نفی میں ہو گا۔ دنیا میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں لوگ ہیں جنہیں زندگی بھر میں نہ تو کبھی شک ہوا اور نہ ہی کوئی سوال پیدا ہوا۔ یہ کیا ہے؟ یہ ایمان کا تجربہ ہے جو ہر ''مخلص'' بندۂ مومن کو حاصل

ہوتا ہے جبکہ ''مداری'' اس سے محروم رہتا ہے۔

علاوہ ازیں خالق کے وجود پر اس کی مخلوق ہی دلالت کرنے کے لیے کافی ہے' جیسا کہ فن پارے کا وجود فنکار (artist)' عالیشان عمارت کا وجود اپنے معمار اور جیٹ انجن کا وجود اپنے انجینئر کے حسن تخلیق کی دلیل ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا یہ ارشادات ملتے ہیں کہ اللہ نے انسان کے وجود اور زمین و آسمان میں ایسی واضح نشانیاں رکھ چھوڑی ہیں جو خالق پر اشارہ کر رہی ہیں (۶۱)۔ عرب کے بدو جسے سمجھتے تھے' اسے فلسفی اور سائنسدان سمجھنے سے قاصر رہے۔ عرب کے بدوؤں میں یہ معروف تھا کہ جس طرح اونٹ کی مینگنی اونٹ کے راستے سے گزرنے اور قدموں کے نشانات انسان کے گزرنے پر دلالت کرتے ہیں' اسی طرح یہ وسیع و عریض آسمان اور زمین اپنے خالق پر کیسے دلالت نہیں کرے گی؟ (۶۲)

ایک دہریے نے مسلمان سے کہا: کیا آپ نے ''دی گرینڈ ڈیزائن'' (The Grand Design) پڑھی ہے؟ مسلمان نے کہا: کیا آپ نے ''دی گرینڈ پلان'' (The Grand Plan) پڑھی ہے؟ دہریے نے کہا: نہیں! ویسے یہ کتاب کس کی ہے؟ مسلمان نے کہا: ''دی گرینڈ ڈیزائن'' میں تو صرف ڈیزائن کا ذکر ہے' ڈیزائنر غائب ہے' جبکہ ''دی گرینڈ پلان'' میں گرینڈ ڈیزائن کے ساتھ ڈیزائنر کا بھی ذکر ہے۔ دہریہ کہنے لگا: واہ' کمال کی بات ہے۔ لیکن پھر بھی بتاؤ تو سہی کہ لکھی کس نے ہے؟ مسلمان نے کہا: خود ڈیزائنر نے۔

اس مکالمہ میں ''دی گرینڈ پلان'' سے مراد ''لوحِ محفوظ'' ہے کہ جس میں کائنات کا ماضی' حال اور مستقبل سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ ''دی گرینڈ ڈیزائن'' تو کسی کو دیکھنا شاید ہی نصیب ہو لیکن ''دی گرینڈ پلان'' کا مشاہدہ (observation) اور تجربہ (experience) تو ہم روزانہ آفاق وانفس (Horizons of the Universe and own selves) میں کرتے ہیں۔ سائنسدان اس ''پلان'' کے انسانی ذات اور کائنات دونوں پر واقع ہونے کے سامنے کس قدر بے بس' محتاج' عاجز اور مسکین ہے؟ قوانین قدرت (laws of nature) کو دریافت اور تسخیر کر لینے کے بعد بھی نہ اس دنیا میں آنے میں انسان کی مرضی غالب ہے اور نہ جانے میں اس کی خواہش کا احترام ہے اور نہ ہی آنے جانے کے درمیانی وقت میں کسی خوشی کا حصول یا تکلیف سے نجات میں اس کا ارادہ (will) غالب ہے۔ ڈیزائن عظیم ہے تو ڈیزائنر بھی عظیم ہوگا اور نہ صرف عظیم ہوگا بلکہ اپنی مرضی (will) کو غالب رکھے گا۔

خلاصہ کلام

اہلِ مغرب نے اپنے ہر علم' خواہ وہ سائنسی ہو سماجی' تاریخی ہو یا لسانی' کو نظریہ ارتقاء کی روشنی میں مرتب کر کے دکھا دیا ہے اور اہلِ مشرق کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ہر علم کو' چاہے وہ تاریخ ہو یا سائنس' نظریہ تخلیق کی روشنی میں مرتب کر کے دکھا دیں۔ اور جب تک ہمارے محققین فلسفہ' سائیکالوجی' بیالوجی' نظریاتی فزکس' عمرانیات' لسانیات اور تاریخ کے مضامین میں نظریہ تخلیق کی روشنی میں بحث و تحقیق کی بنیاد نہیں رکھ دیتے' اس وقت تک دنیاوی علوم سے مذہب کا مقدمہ ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔

جس طرح ''ارتقاء'' کے نظریے نے خدا کے وجود کے انکار کو سائنس بنانے کی ناکام کوشش کی ہے' اسی طرح ''عرفان'' کے فلسفے نے مخلوق کے وجود کے انکار کو علم بنانے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ بعض مخلص مسلمانوں کو یہ وہم لاحق ہوا کہ مسلم معاشروں میں موجود الحاد کا حل نظریہ عرفان (The Unity of the Being) کو قبول کر لینے میں ہے۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنہوں نے اس فلسفے کو انگریزی میں پڑھا ہے' جیسا کہ ملائشیا اور یورپ میں آباد بعض مسلمان مفکرین' کہ جنہوں نے سائیکالوجی کی کچھ جدید بحثوں کو اس کے ساتھ ملا کر ایک عجیب معجون مرکب بنا رکھا ہے۔ اور بعض وہ ہیں کہ جنہوں نے اردو' فارسی یا عربی میں مطالعہ کیا ہے لیکن اس مفروضے کے ساتھ کہ اس جیسی اعلیٰ فکر (intellectual thought) مسلمان امت تو کجا دنیا میں ہی پیدا نہیں ہوئی۔

یہ عقیدہ رکھنا کہ مخلوق کا وجود اُس کا وہم یا خالق کا خیال ہے اور وجود صرف خالق ہی کا ہے' مذہب اور سائنس دانوں کے اعتبار سے جہل مرکب ہے۔ اور دوسرا اس مقدمے کو ثابت کرنے کے لیے مذہب اور سائنس کا سہارا لینا ایک ذہنی عیاشی کی مشق سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ نظریہ عرفان (The Unity of the Being) کے فلسفے کی کوئی ایسی تعبیر کہ جس میں مخلوق کا وجود بھی مانا گیا ہو' چاہے مثل معدوم کے درجے میں سہی تو اس کا حکم الگ ہے۔ اگرچہ ایسی تعبیر اس فلسفے کا معیاری ورژن (standard version) نہیں ہے اور اس کا معیاری ورژن وہی ہے کہ جس میں مخلوق کے وجود کا انکار کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی اس فلسفے کو مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے کہ جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔ علمی اعتبار سے اگرچہ نظریہ عرفان کی ہر تعبیر کا حکم ایک نہیں ہے لیکن منہج کے پہلو سے ایک ہی حکم جاری ہوگا۔

منہج کے اعتبار سے ہر اس نظریے یا عقیدے پر کم از کم بدعت کے الفاظ کا اطلاق ہو سکتا ہے کہ جس کا مبدا اللہ کے رسول ﷺ کی ذات نہ ہو اور جس کے حاملین صحابہ کرامؓ اور قرونِ اولیٰ کی جماعت نہ ہو۔ نہ ہمارے فقہائے اربعہ ''نظریہ عرفان'' کے عقیدے سے واقف تھے اور نہ ہی ائمہ متکلمین کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور فقہی و کلامی مذاہب کے بانیان مثلاً امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' امام بخاری' امام ابن حزم' امام ابوالحسن اشعری' امام ابومنصور ماتریدی رحمہم اللہ اجمعین میں سے کسی ایک کا بھی یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا۔ لہٰذا عقیدہ و فقہ میں پیدا ہونے والے جملہ مذاہب و مکاتب فکر کی روایت میں یہ عقیدہ شامل نہیں ہے اور ساتویں صدی ہجری میں پہلی مرتبہ جامع اور مرتب صورت میں پیش کیا گیا۔ عقلی و منطقی اعتبار سے اس کے غلط ہونے کے لیے صریح شرعی نصوص' عقل عام (common sense) کے علاوہ وہ سب تحقیقی کام کافی و شافی دلیل ہے جو سائنسی علوم (Natural Sciences) میں امر واقعہ (fact) بن چکا ہے۔

خالص سائنس کا تو ویسے ہی یہ موضوع نہیں بنتا جبکہ فلسفہ' عمرانیات (Sociology)' نفسیات (Psychology)' بیالوجی (Biology)' علم الانسان (Anthropology)' علم الآثار (Archeology) اور نظریاتی فزکس (Theoretical Physics) کے جمیع بیانیوں (narratives) میں انسان کے مبدا و معاد (Alpha and Omega) کے سوال کے بارے میں اتنا جواب موجود نہیں ہے کہ جتنا آسمانی مذاہب (Semitic Religious) میں سے کسی ایک مذہب کے بیان میں موجود ہے۔

البتہ انسانی اور عمرانی علوم (Humanities and Social Sciences) میں ایسے نظریات موجود ہیں کہ انسان خود ہی مذہب اور خدا دونوں کا خالق ہے، لیکن ان جمیع نظریات کے حق میں سائنسی و روایتی شواہد موجود نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں ماہرین عمرانیات (Social Scientist) کا اس بارے میں کسی ایک بیانیے پر اتفاق ممتنع (impossible) ہے، جبکہ اختلافِ زمان و مکان کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و رسل کا دعویٰ اور بیان ایک ہی رہا ہے (۶۳) اور وہ توحید ہے کہ جس کے بارے میں ہم اگلی قسط میں بحث کریں گے۔

حواشی

(۱) صحیح اور معتدل رائے یہ ہے کہ خالق اور مخلوق دونوں کا وجود حقیقت (reality) ہے۔ صفت خلق (creation) اور مخلوق (creature) کا تعلق علت و معلول (cause and effect) کا ہے کہ جس میں ایک کے اقرار سے دوسرے کا انکار ناممکن ہے۔ اور اس دلیل پر یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ علت ہمیشہ واقعہ (event) ہوتی ہے نہ کہ شخص (person)۔ درست بیان یہ ہے کہ علت، واقعہ نہیں بلکہ صفت ہوتی ہے۔ اور خارج میں صفت کا وجود، موصوف کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۲) Rupert W. Anderson, The Cosmic Compendium :The Big Bang and the Early Universe, USA :Lulu Press, Inc., 2015, p. 1—2.

(۳) اس وقت کوئی زمان و مکان موجود نہیں تھا یعنی وقت (time) زیرو تھا۔ زمان و مکان (space and time) اُس نقطے کے پھیلاؤ (expansion) سے وجود میں آئے ہیں کہ جس میں مستقبل کی کل کائنات کا مادہ اور توانائی (energy and matter) موجود تھی۔

(۴) W. Mark Richardson J. Wildman, Religion and Science, History, Methodand Dialogue, NewYork: Routledge, 1996, p.37.

(۵) ibid., p94-95.

(۶) ibid.

(۷) Hawking, Stephen, Leonard Mlodinow, The Grand Design, NewYork: Bantam Book, 2010, p.106.

(۸) Hoodbhoy, Pervez, Asrar-e-Jehan,Waqt Waqt ki Batain,Video:18:55, Retrieved 15 December, 2015, from https//:www.youtube.com/ watch?v=qIKBGqvBcYI

(۹) بعض ماہرین طبیعیات کا کہنا ہے کہ اس اکائی یا وحدت (singularity) میں 10E-43 سیکنڈ کے بعد کشش ثقل (gravitational force) پیدا ہوئی، جبکہ 10E-35 سیکنڈ کے بعد مضبوط نوایاتی قوت (Strong Nuclear force) اور الیکٹران وجود میں آئے۔ بگ بینگ ہوئے ابھی ایک سیکنڈ کا دس لاکھواں حصہ گزرا تھا کہ الیکٹرون اور پروٹان بھی وجود میں آگئے۔ اس مرحلے پر درجہ حرارت دس ہزار ارب ڈگری سینٹی گریڈ تھا۔ بگ بینگ کے ایک سیکنڈ بعد برقناطیسی قوت (Electro magnetic force) اور کمزور نوایاتی قوت (Weak Nuclear Force) بھی وجود میں آچکی تھی جبکہ اس وقت درجہ حرارت دس ارب سینٹی گریڈ تھا۔ بگ بینگ کے تین منٹ بعد الیکٹرون اور پروٹان نے مل کر ایٹمی مرکزہ (Nucleus) بنانا شروع کر دیا جبکہ درجہ حرارت ایک ارب سینٹی گریڈ رہ گیا تھا۔ سات لاکھ سال بعد ایٹمی مرکزے نے الیکٹرون کے ساتھ مل کر ایٹم

(atom) بنایا کہ جس سے فوٹون (photon) خارج ہوئے اور کائنات شفاف ہونے لگی۔ بگ بینگ کے ایک ارب سال بعد کہکشائیں (Galaxies) وجود میں آئیں۔ ہمارا نظام شمسی آج سے تقریباً ساڑھے چار ارب سال پہلے وجود میں آیا۔

(۱۰) The Grand Design, p.104.

(۱۱) میکانیات مقادیر برقیات (squantum mechanics) اور عمومی نظریہ اضافت (Theory of general relativity) طبیعیات میں دو مختلف شاخیں ہیں۔ میکانیات مقادیر برقیات میں چھوٹی سطح (Micro Level) پر اب تک کے دریافت شدہ سترہ قسم کے ذرات اور تین قوتوں (Electromagnetism, Strong unclear force, Weak nuclear force) کا مطالعہ کیا جاتا ہے جبکہ عمومی نظریہ اضافت میں بڑی سطح (Macro Level) پر چوتھی کشش ثقل (gravitational force) اور اس کے اثرات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

(۱۲) ایم کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس کا مخفف ہے۔ عام طور پر ایم سے مراد ماسٹر (Master) لیا جاتا ہے۔

(۱۳) The Grand Design, p.113.

(۱۴) The laws of nature tell us how the universe behaves, but they don't answer the why?(The Grand Design, p.137)

(۱۵) Ibid., p.109.

(۱۶) We will describe how M-theory may offer answers to the question of creation. According to M-theory, ours is not the only universe. Instead, M-theory predicts that a great many universes were created out of nothing. Their creation does not require the intervention of some supernatural being or God. Rather, these multiple universes arise naturally from physical law. They are a prediction of science. (The Grand Design:p.13)

(۱۷) Paley's argument is made with passionate sincerity and is informed by the best biological scholarship of his day, but it is wrong, gloriously and utterly wrong. The analogy between telescope and eye, between watch and living organism, is false. All appearances to the contrary, the only watch maker in nature is the blind forces of physics, albeit deployed in a very special way. A true watchmaker has for esight :he designs his cogs and springs, and plans their inter connections, with a future purpose in his mind's eye. Natural selection, the blind, unconscious, automatic process which Darwin discovered, and which we now know is the explanation for the existence and apparently purposeful form of all life, has no purpose in mind. It has no mind and no mind's eye. It does not plan for the future. It has no vision, no foresight, no sight at all. If it can be said to play the role of watchmaker in nature, it is the blind watchmaker.(Richard Dawkinz, The Blind Watchmaker, p.5)

(۱۸) اب ملحد (atheist) کہتے ہیں کہ ہماری دلیل کا جواب دو۔ بھئی، اگر تم سوفسطائیوں (Sophists) کی طرح مجھے

اس پر دلیلیں دینا شروع کر دو گے کہ ''میرا وجود نہیں ہے'' تو میرے پاس اس کے جواب میں اس سے بہترین دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ میں تمہیں ایک ''چپت'' رسید کر کے اپنے وجود کا یقین دلاؤں۔لیکن واقعتاً اس کے بعد تو میں تمہارے حق میں رو ہی سکتا ہوں کہ ''چپت'' کھانے کے بعد بھی تم مجھ سے یہ مطالبہ کرو کہ کوئی منطقی دلیل لے کر آؤ' کوئی عقلی دلیل دو' کوئی سائنسی دلیل دکھاؤ کہ ''تمہارا وجود ہے''۔کچھ ایسا ہی رویہ آج کل کے ملحدوں کا ہے۔

(۱۹) The Grand Design,p.29.

(۲۰) Tihomir Dimitrov, 50 NOBEL LAUREATES AND OTHER GREAT SCIENTISTS WHO BELIEVE IN GOD

(۲۱) Christ of Wetterich, A Universe without expansion,Retrieved 01 January, 2016 from
http//:arxiv.org/abs/1303.6878

(۲۲) Hawking, Stephen,There are no Black Holes, Retrieved 01 January, 2016 from
http//:www.nature.com/news/stephen-hawking-there-are-no-black-holes-1.14583

(۲۳) ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ۝۳۵﴾ (الطور)

(۲۴) We will describe how M-theory may offer answers to the question of creation. According to M-theory, ours is not the only universe. Instead, M-theory predicts that a great many universes were created out of nothing. Their creation does not require the intervention of somesuper natural being or god. Rather, these multiple universes arise naturally from physicallaw.(The Grand Design, p.14)

(۲۵) Bodies such asstars or black holes can not just appear out of nothing. Buta whole universe can…Because there is a law like gravity, the universe can and will create itself from nothing…It is not necessary to invoke Godto light the blu etouch paper and setthe univer segoing.(The GrandDesign, p.144)

(۲۶) ﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝۲۴﴾ (هود) ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۝۱۶﴾ (الرعد)﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ۝۱۹ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ۝۲۰ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝۲۱ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۝۲۲ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ۝۲۳ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۝۲۴ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ۝۲۵﴾ (فاطر) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۝۵۶﴾ (المؤمن)

(۲۷) LawrenceM . Krauss,A Universe From Nothing, NewYork: Free Press, 2012, p.12

(۲۸) عدم کو شے قرار دینے میں وجودی اور الحادی دونوں متفق ہیں۔ماڈرن فزکس میں ایسا کوئی خلاء موجود نہیں ہے کہ جس

میں کچھ نہ ہو بلکہ کوانٹم ویکیوم میں بھی برقناطیسی لہریں (electromagnetic waves) موجود ہوتی ہیں۔

(۲۹) Hawking,Stephen,There are no Black Holes,Retrieved6January,2016from http//:www.nature.com/news/stephen-hawking-there-are-no-black-holes-1.14583

(۳۰) An atheist before Darwin could have said, following Hume:'I have no explanation for complex biological design. All I know is that Cod isn't a good explanation, so we must wait and hope that somebody comes up with abetter one.'I can't help feeling that such a position,though logically sound,would have left one feeling pretty unsatisfied,and that although at heismmight have been logically tenable before Darwin, Darwin made it possible to be an intellectually fulfilled atheist.(Dawkinz, Richard, The Blind Watchmaker,NewYork:Norton,1986,p.6)

(۳۱) لیکن بعد میں ایک اور ملحد سے معلوم ہوا کہ نہیں' دو ایسے بھی ہو گزرے ہیں کہ جنہوں نے اپنی اولاد کو یہ تک وصیت کی تھی کہ ہماری لاش کو جلا دینا۔

(۳۲) ہماری نظر میں ملحدین کا یہ تجزیہ درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملحدین انتہائی کوشش کے باوجود خدا کو اپنے اندر سے نکال نہیں پائے۔ مذہب اور خدا ہمارے لوگوں کے جینیات (genes) میں ہے۔ یہ اسے اپنے سے نکال باہر کرنے کی ہر کوشش میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں۔

(۳۳) ایڈمن فیس بک پیج ڈاکٹر پرویز ھود بھائے ''ملا'' کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''ملا'' وہ نہیں ہے کہ جس کی لمبی داڑھی ہو یا سر پر پگڑی ہو بلکہ ''ملائیت'' ایک فکر کا نام ہے۔ یعنی انہیں ہمارے داڑھی کی لمبائی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے بلکہ ہماری سوچ سے ہے۔ وہ ہمارا حلیہ تبدیل نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہماری سوچ کی تبدیلی ان کا ہدف ہے۔

Mullah is not the person with long beard and aturban on head, Mullayeit is a way of thinking, any one who condemns "rationalthinking" is Mullah.

(۳۴) ''مشعل'' ایک امریکی این جی او ہے کہ جس کا ہیڈ آفس گارڈن ٹاؤن' لاہور میں ہے۔ اس این جی او کے چیئرمین جناب پروفیسر ڈاکٹر پرویز ہود بھائے ہیں۔ یہ این جی او پچھلی کئی دہائیوں سے انگریزی میں شائع شدہ مذہب مخالف' اسلام مخالف اور خدا مخالف لٹریچر کو اردو زبان میں منتقل کر کے نہ صرف شائع کر رہی ہے بلکہ مفت تقسیم کر رہی ہے کہ جس سے اس کا مقصد پاکستانی معاشرے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ملحدوں کی تعداد میں اضافہ کرنا ہے۔ اس این جی او نے دہریت کو پھیلانے میں غیر علمی بلکہ سیاسی پارٹیوں کے جیالے پن والا رویہ اختیار کیا ہے۔ مثلاً کارل ساگاں ملحد کی ایک کتاب ''کاسموس'' کہ جس کا ترجمہ اسی این جی او نے شائع کیا ہے کے صفحہ ۲۴۰ کی ابتداء اس جملے سے ہوتی ہے: ''کچھ بیوقوفوں کا دعویٰ ہے کہ کسی خالق نے دنیا کو بنایا ہے''۔ اب ایسی کتابیں کہ جن میں خدا پر ایمان رکھنے والوں کو بیوقوف کہا جا رہا ہے' اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ''سائنس'' اور ''علم'' کے نام پر شائع کی جا رہی ہیں: http:// mashalbooks.org

(۳۵) سنن ابی داوٗد' ابواب النوم' باب رد الوسوسة' المكتبة العصرية' صيدا۔ بيروت ۳۲۹/٤

(۳۶) ﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۰﴾ (ابراھیم)

(۳۷) ﴿اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۝۴ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ

اَمَامَهٗ۝۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ۝۶﴾ (القیامۃ)

(۳۸) How can we understand the world in which we find our selves?How does the universe behave? What is the nature of reality? Where did all this come from? Did the universe need a creator? Most of us do not spend most of our time worrying about these questions, but almost all of us worry about them some ofthetime.Traditionally these are questions for philosophy,but philosophy is dead. Philosoph y has not keptup with modern developments in science, particularly physics. Scientists have become the bearers of the torch of discovery in ourquest for knowledge.The purpose of thisbook is togive the answers that are suggested byrecent discoveries and the oretical advances. (The Grand Design :p.10)

(۳۹) Alif Shafak, The Forty Rules of Love, USA: Penguin Books Ltd, 2010, p.27

(۴۰) ''کوسموس'' ایک ملحد سائنس دان کارل ساگاں کی تیار کردہ ایک ٹی وی سیریز ہے کہ جس میں کائنات کے آغاز سے لے کر آج تک کے بارے میں نظریاتی سائنس اور سائنس کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

(۴۱) ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ۝۱۷۲﴾ (الاعراف)

(۴۲) اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ، وَيُنَصِّرَانِهٖ، اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ ، هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ)) ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ (الروم: ۳۰)

صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب اذا اسلم الصبی فمات ۲/۹۵۔

(۴۳) ﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۝۸۳﴾ (المائدۃ)

(۴۴) بگ بینگ پر ایمان کو بھی اسی فہرست میں شامل کر لیں کہ اس کی سائنسی دلیل ملحدوں کی نظر میں ''کوانٹم گریوٹی'' ہے۔ اور اب مذہبی بے وقوف یہ سوال کریں گے کہ ''کوانٹم گریوٹی'' کیا چیز ہے؟ بھئی' ابھی ہم اس دلیل کی تلاش میں ہیں' ہم اسٹرنگ تھیوری سے ایم۔تھیوری تک پہنچ چکے ہیں اور ایم۔تھیوری بس اپنے آخری مراحل میں ہی ہے۔ جب مکمل ہو جائے گی تو تمہیں بھی بتلا دیں گے۔ اس پر ایک مؤمن اس کے علاوہ اور کیا تبصرہ کر سکتا ہے کہ اے ملحدوں کی جماعت! یہ اپنے احکامِ عشرہ (Ten Commandment) اپنی جیب میں رکھو اور جب تک اپنے موقف کے حق میں کوئی سائنسی دلیل وضع نہیں کر لیتے اس وقت تک سائنس کے نام پر مذہب کو چیلنج دینا بند کر دو۔

(۴۵) Alok Jha, Is Stephen Hawking right about Aliens?, Retrieved 7 January, 2016 from http//:www.theguardian.com/science/2010/apr/30/stephen-hawking-right-aliens

(۴۶) Mike Wall, Signs of Alien Life Will Be Found by 2025, NASA's Chief Scientist Predicts,Retrieved 7 January, 2016 from http//:www.space.com/29041-alien-life-evidence-by-2025-nasa.html

(۴۷) اب اس کے جواب میں یہ کہنا کہ چاند پر لینڈنگ کی تو ویڈیو موجود ہے جو ہر شخص دیکھ سکتا ہے، ایک بچگانہ رویہ ہے جبکہ روسی سائنسدان عرصہ دراز سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ ویڈیو اسٹوڈیو میں بنائی گئی ہے۔ اور امریکیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد خود اس کی قائل نہیں ہے کہ امریکی چاند پر اترے ہیں اور وہ اسے خلائی دور میں روس پر امریکہ کی فتح حاصل کرنے کی خواہش کی ایک بھونڈی چال قرار دیتے ہیں۔ چاند پر لینڈنگ کی جو ویڈیو امریکی ٹیلی ویژن پر ۱۹۶۹ء میں دکھائی گئی، وہ یوٹیوب وغیرہ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے' اس میں واضح طور امریکی پرچم چاند کی سرزمین پر لہراتا ہوا نظر آ رہا ہے کہ جس دیکھنے والوں کو یہ ایمان نصیب ہوتا ہے کہ چاند پر امریکی پرچم گاڑتے وقت اچھی خاصی آندھی جاری تھی۔ علاوہ ازیں ناسا (NASA) نے چاند پر لینڈنگ کی جو تصاویر جاری کی ہیں، ان میں واضح طور دیکھا جاسکتا ہے کہ چاند پر اترنے کی تصاویر کے پس منظر میں کوئی ستارے موجود نہیں ہیں یعنی خلاء میں اکیلا چاند ہی چاند ہے۔ علاوہ ازیں تصاویر میں چاند کی سطح پر جو سائے پڑ رہے ہیں' وہ مخالف سمت میں ہیں۔ اگر چاند پر روشنی کا واحد ذریعہ سورج ہے تو سب چیزوں کے سائے ایک ہی سمت میں ہونے چاہئیں نہ کہ مخالف سمتوں میں۔ یہ معلوم نہیں کیا کہانی ہے؟ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ناسا (NASA) یہ کہتا ہے کہ چاند پر لینڈنگ کی اصل ویڈیو ضائع ہوگئی ہے لہٰذا ثبوت مانگنے والے روسی سائنسدانوں کے لیے اب ہمارے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے۔ پھر یہ بھی سوال ابھرتا ہے کہ چاند پر اترے چالیس برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا، دوبارہ جانے کی توفیق کیوں نصیب نہ ہوئی۔ ہمیں اس ساری بحث میں چاند پر اترنے کے سائنسی عقیدے کو چیلنج دینا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ چاند پر اترنا ایک سائنسی واقعہ ہے اور سائنسی طرز فکر ہی کی روشنی میں ایسے سوالات کیوں نہیں کیے جاسکتے کہ جن سے اس واقعے کے سچ اور جھوٹ کو پرکھا جاسکے۔ ہمیں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ ''مذہبی معتقدات پر منطقی سوال اٹھانا عین سائنسی طرزِ فکر ہے جبکہ سائنسی معتقدات پر عقلی سوال پیدا کرنا عین غیر سائنسی طرزِ عمل ہے''۔ کیا یہ اہل سائنس کی دوغلی پالیسی نہیں ہے؟

(۴۸) اب بھی اگر مؤمن یہ نہ کہے کہ ماڈرن سائنس ایک مذہب ہے جس کے کچھ رسول ہیں کہ جن پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہی وحی بالآخر سائنسی ایمانیات کی صورت اختیار کر لیتی ہیں' ان ایمانیات کی تبلیغ کے لیے ملین ڈالرز کی فلم انڈسٹری کام کرتی ہے اور ان کے دفاع کے لیے سائنسدان بلین ڈالرز کے ریسرچ پراجیکٹس کے فنڈز وصول کرتے ہیں، تو کیا کہے؟

(۴۹) صحيح مسلم' كتاب الايمان' باب بيان الوسوسة فى الايمان وما يقوله من وجدها' دار احياء التراث العربى۔ بيروت ۱۲۰/۱

(۵۰) In an analogo us manner, when one combines the general theory of relativity with quantum theory, the question of what happened before the beginning of the universe is rendered meaningless. This idea that histories should be closed surfaces without boundary is called the noboundary condition. (The Grand Design : p.109)

(۵۱) صحيح مسلم' كتاب الايمان' باب بيان الوسوسة فى الايمان وما يقوله من وجدها' ۱۲۱/۱

(۵۲) ايضاً۔

(۵۳) سنن ابى داوٗد' ابواب النوم' باب رد الوسوسة' المكتبة العصرية' صيدا۔ بيروت' ۳۲۹/٤۔

(۵۴) ایضاً۔

(۵۵)﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝۲۷﴾ (الانعام)

(۵۶)﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ۝۸﴾ (الانعام)

(۵۷)﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۝۱۵۸﴾ (الانعام)

(۵۸) ﴿اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ۝۴﴾ (الشعراء)

(۵۹)البخاری، ابوعبداللّٰہ محمد بن اسماعیل، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللّٰہ ﷺ وسننه وایامه۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من کره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یلقی فی النار من الایمان، دار طوق النجاة، الاول، ۱۴۲۲ھ، ۱۳/۱۔

(۶۰) ﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۝۱۰﴾ (ابراهيم)

(۶۱) ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝۲۰﴾ (العنکبوت)۔ ﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ۝۲۰ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝۲۱﴾ (الذاریات)۔ ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۝۵۳﴾ (فصلت)

(۶۲) قیل لبعض العرب: بم عرفتَ ربك؟ فقال البعرة تدل عی البعیر وآثار الخطا تدل علی المسیر، فسماء ذات ابراج وارض ذات فجاج کیف لا تدل علی العلی الکبیر؟ (ایثار الحق علی الخلق فی رد الخلافات الی المذهب الحق من اصول التوحید، ابن الوزیر، محمد بن ابراهیم بن علی بن المرتضی الحسنی القاسمی، دار الکتب العلمیة ۔ بیروت، الثانیة، ۱۹۸۷م، ص ۵۲)۔ اس مثال پر بعض ملحدوں نے سطحی اعتراضات کیے ہیں کہ جن کا عقلی و منطقی جواب ڈاکٹر ربیع احمد کے تحقیقی مقالہ سفسطة الملاحدة حول مقولة: البعرة تدل علی البعیر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

(۶۳)﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝۲۵۷﴾ (البقرة)۔ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۝۱۵ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝۱۶﴾ (المائدة)

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں،
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

’’آیا یہ قول حضرت یوسفؑ کا ہے یا عزیز مصر کی بیوی کا؟‘‘

ایک قاری کا استفسار اور مدیر حکمتِ قرآن کا جواب

محترم ڈاکٹر ابصار صاحب —— السلام علیکم

حکمت قرآن‘ جولائی۔ستمبر ۲۰۱۵ء میں ’’حقیقتِ دین‘‘ کے موضوع پر ’’قرآن کریم اور فطرتِ انسانی‘‘ از نذیر احمد علائی (صفحہ ۶۱) سورۂ یوسف کی آیت ۵۳ کے ترجمہ کے شروع میں بریکٹ کے اندر ’اس عورت نے کہا‘ اور ترجمہ میں ’’اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتی‘‘ کی صحت وحقیقت درکار ہے۔ کیا یہ واقعی عورت (زلیخا) کا ہی کلام ہے یا مرد حضرت یوسف علیہ السلام کا؟ ہم تو آج تک اسے حضرت یوسف علیہ السلام کا ہی کلام سنتے‘ سمجھتے اور پڑھتے آئے ہیں۔ تکلیف معاف۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں‘ ضرور صحیح تعبیر سے تحریری طور پر آگاہ فرمائیے گا۔

ابوعبداللہ مجاہد
مرکز طیبہ‘ مریدکے ضلع شیخوپورہ

محترم ابوعبداللہ مجاہد صاحب —— السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ خیر و عافیت سے ہوں گے۔

آپ نے اپنے مراسلے میں سورۃ یوسف کی آیت ۵۳ کے بارے میں استفسار کیا ہے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ سورۃ یوسف کی آیت ۵۳ کے بارے میں سلف سے ہی اختلاف چلا آرہا ہے کہ آیا یہ قول حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے یا عزیز مصر کی بیوی کا۔ لہٰذا جب اختلاف سلف سے ثابت ہو تو کوئی مفسر دلائل کی بنیاد پر کسی بھی قول کو ترجیح دے سکتا ہے۔

ہم ذیل میں تفسیر ابنِ کثیر میں صفحہ ۶۵۶ پر درج سورۃ یوسف کی آیت ۵۳ کی تفسیر لکھ رہے ہیں‘ اُمید ہے آپ اسے مفید پائیں گے۔

> ’’(آیت:۵۳) عزیز مصر کی بیوی کہہ رہی ہے کہ میں اپنی پاکیزگی بیان نہیں کر رہی‘ اپنے آپ کو نہیں سراہتی۔ نفسِ انسانی تمناؤں اور بری باتوں کا مخزن ہے۔ اس میں ایسے جذبات اور شوق اچھلتے رہتے ہیں۔ وہ برائیوں پر اُبھارتا رہتا ہے‘ اسی کے پھندے میں پھنس کر میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا...... یہ قول عزیز مصر کی عورت کا ہی ہے۔ یہی بات زیادہ مشہور ہے اور زیادہ لائق ہے اور واقعہ کے بیان سے بھی زیادہ مناسب ہے۔ اور کلام کے معنی کے ساتھ بھی زیادہ موافق ہے۔ امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسے وارد کیا ہے۔ اور علامہ ابوالعباس حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اسے ایک مستقل تصنیف میں بیان فرمایا ہے اور اس کی پوری تائید کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قول

حضرت امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ **لیعلم** سے اس دوسری آیت کے ختم تک انہی کا فرمان ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے تو صرف یہی ایک قول نقل کیا ہے۔ چنانچہ ابن جریر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بادشاہ نے عورتوں کو جمع کر کے جب ان سے پوچھا کہ کیا تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہلایا پھسلایا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حاشا للہ ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے اقرار کیا کہ واقعی حق تو یہی ہے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا' یہ سب اس لیے تھا کہ میری امانت داری کا یقین ہو جائے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا: وہ دن بھی یاد ہے کہ آپ نے کچھ ارادہ کر لیا تھا؟ تب آپ نے فرمایا: میں اپنے نفس کی براءت تو نہیں کر رہا! بے شک نفس برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ الغرض ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ کلام حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے' لیکن پہلا قول یعنی اس کلام کا عزیز کی عورت کا کلام ہونا ہی زیادہ قوی اور زیادہ ظاہر ہے۔ اس لیے کہ اوپر سے انہی کا کلام چلا آ رہا ہے جو بادشاہ کے سامنے سب کی موجودگی میں ہو رہا تھا۔ اُس وقت تو حضرت یوسف علیہ السلام وہاں موجود ہی نہ تھے۔ اس تمام قصے کے کھل جانے کے بعد بادشاہ نے آپ کو بلوایا۔''

شکریہ' والسلام

عاطف وحید' انچارج' شعبہ تحقیق اسلامی

بقیہ: فہم القرآن

یٰقَوْمِ : اے میری قوم	اعْمَلُوْا : تم لوگ عمل کرو
عَلٰی مَکَانَتِکُمْ : اپنی جگہ پر	اِنِّیْ : بے شک میں (بھی)
عَامِلٌ : ایک عمل کرنے والا ہوں	فَسَوْفَ : تو عنقریب
تَعْلَمُوْنَ : تم جان لو گے	مَنْ : (کہ) کون ہے
تَکُوْنُ : ہوگا	لَہٗ : جس کے لیے
عَاقِبَۃُ الدَّارِ : گھر کا (اچھا) انجام	اِنَّہٗ : حقیقت یہ ہے کہ
لَا یُفْلِحُ : فلاح نہیں پاتے	الظّٰلِمُوْنَ : ظلم کرنے والے

نوٹ : آیت ۱۳۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں اور جنوں' دونوں میں رسول آئے تھے' لیکن اس ضمن میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ رسول اور نبی صرف انسان ہی ہوئے ہیں' جنّوں میں سے کوئی بلا واسطہ رسول نہیں ہوا۔ بلکہ ایسا ہوا ہے کہ انسانی رسول کا کلام اپنی قوم کو پہنچانے کے لیے جنّوں میں کچھ لوگ ہوتے تھے' جو درحقیقت رسولوں کے قاصد اور پیغامبر ہوتے تھے۔ مجازی طور پر ان کو بھی رسول کہہ دیا جاتا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انسانوں میں انسانی رسول آتے تھے اور جنّوں میں انہی میں سے رسول ہوتے تھے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپؐ کو سارے عالم کے انسانوں اور جنّوں کا رسول بنا کر بھیجا گیا اور وہ بھی کسی ایک زمانے کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جن وانس آپؐ کی امت ہیں۔ ایک اور رائے یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہے کہ انسانوں سے پہلے زمین پر جن آباد تھے اور وہ بھی انسانوں کی طرح احکامِ شرع کے مکلّف ہیں تو از روئے عقل ضروری ہے کہ ان میں بھی رسول اور پیغمبر ہوں۔ (معارف القرآن)

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ، مولانا امین احسن اصلاحی نمبر

مدیر اعلیٰ : صاحبزادہ ابرار احمد بگوی

ضخامت: 255 صفحات قیمت:250 روپے

مقام اشاعت: مجلس حزب الانصار، شارع بگویہ، بھیرہ، ضلع سرگودھا

مولانا امین احسن اصلاحی عبقری شخصیت تھے۔ وہ نابغہ روزگار عالمِ دین اور منفرد مفسر، عظیم فلسفی، صاحبِ طرز ادیب بھی تھے۔ وہ فکر فراہی کے شیدائی تھے۔ وہ کئی قابل ذکر اور معروف کتابوں کے مصنف تھے جن میں سب سے مشہور ''تدبّرِ قرآن'' ہے، جو نو جلدوں پر مشتمل اور اپنے دور کی تفاسیر میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ یہ مولانا کی ۲۴ سال کی محنتِ شاقہ کا حاصل ہے۔ تفسیر کا اصل موضوع نظم قرآن ہے۔ مولانا اصلاحی اپنے خیالات میں پختہ ہیں۔ تاہم وہ اپنے تفردات میں مشہور ہیں جبکہ ان کے تفردات میں سے اکثر کی حیثیت تسلیم کرنے کے قابل نہیں۔ بعض آیات کی انوکھی تشریح کرتے ہیں جو جمہور مفسرین کے خلاف ہے۔ چند دیگر متفق علیہ مسائل کے علاوہ وہ رجم کی سزا کو حد شرعی نہیں مانتے۔ بعض علماء کے نزدیک ان کے فہم دین میں کجی ہے، کیونکہ قرآن کی تفسیر میں احادیث کی اوّلین حیثیت کو تسلیم نہ کرنا راہِ صواب سے ہٹنا ہے۔ مولانا سترہ سال تک جماعت اسلامی میں رہے۔ وہ بانیٔ جماعت کے قریب ترین اور اہم ترین ساتھی تھے۔ وہاں بہت کام کیا پھر جماعت کو چھوڑ دیا۔

زیر تبصرہ رسالہ ماہنامہ شمس الاسلام کا خصوصی نمبر اور دسمبر ۲۰۱۵ء کا شمارہ ہے، جس میں مختلف اہلِ علم حضرات کے چند نثری مضامین کے علاوہ تین مختصر نظمیں بھی ہیں۔ مضامین میں مولانا کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کے علمی کام کی تحسین کی گئی ہے۔ اس شمارے کے مطالعے سے مولانا اصلاحی کی خدمات کے ساتھ ساتھ ان کے حالات زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ لکھنے والوں میں مولانا خلیل الرحمٰن چشتی، منظور حسین عباسی، محمد سلیم کیانی، حسان عارف، ڈاکٹر زاہد منیر اور لمعات احمد بگوی شامل ہیں۔ مولانا کی چند یادگار تصاویر بھی دی گئی ہیں۔

(۲)

نام کتاب : مولانا محمد حسن امروہوی

مصنف : محمد اورنگزیب اعوان

ضخامت : 108 صفحات' قیمت : 300 روپے

ناشر : کتاب محل' دربار مارکیٹ لاہور

تین امروہوی شخصیات ہیں' جن کے ناموں میں حد درجہ مشابہت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تینوں کے حالات لکھنے میں بڑے بڑوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائی ہیں۔ان تینوں کے نام یہ ہیں:

محمد احسن امروہوی احمد حسن امروہوی محمد حسن امروہوی

مصنف کے مطابق مولوی محمد احسن امروہوی تو قادیانی تھا جبکہ مولانا احمد حسن امروہوی دارالعلوم دیوبند کے اولین فضلاء میں سے تھے۔ چونکہ مولانا محمد حسن امروہوی کے حالات و خیالات قلم بند کرتے ہوئے کئی مشاہیر علماء نے ٹھوکر کھائی ہے اور ان کے بارے میں غلط باتیں لکھ دی ہیں' اس لیے مصنف نے مولانا محمد حسن امروہوی کو بار بار ہندوستان کا ایک مظلوم عالم دین کہا ہے۔

مولانا محمد حسن امرہوی کئی کتابوں کے مصنف تھے' جن میں دو جلدوں پر مشتمل تفسیر ''غایۃ البرہان'' ہے۔ مولانا تحقیقی مزاج رکھتے تھے۔ جدید اور قدیم عہد ناموں کا انہوں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا۔تفسیر میں ان کے بعض تفردات صحیح ہیں اور بعض گمراہ کن۔ کہیں کہیں انہوں نے موجودہ بائبل کے مضامین کی بے جا وکالت اور تائید کی ہے اور راہِ حق سے دور ہو گئے ہیں' حالانکہ وہ خود مانتے ہیں کہ بائبل میں تحریف کی گئی ہے۔

کتاب کی کمپوزنگ معیاری اور گٹ اپ خوبصورت ہے۔

(۳)

نام کتاب : سفرنامہ دہلی

مصنف : مولانا شفیق احمد سلیم ملکانوی

ضخامت : ۱۳۴ صفحات

ملنے کا پتا : ☆القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد ضلع نوشہرہ' خیبر پختونخوا

شہر دلی سینکڑوں سال تک برصغیر کے مسلمان بادشاہوں کا پایہ تخت رہا ہے۔آج بھی یہ اسلامی تہذیب کا امین ہے' لیکن افسوس کہ ہندوؤں نے قدرناشناسی کا ثبوت دیتے ہوئے اسلامی تہذیب کے شاہکاروں کے ساتھ ناروا سلوک اختیار کر رکھا ہے۔

مولانا شفیق احمد سلیم کو شوق ہوا تو انہوں نے دہلی کا سفر اختیار کیا۔ اپنے سفرنامے میں سفر کی کیفیت کے ساتھ ساتھ دہلی کے حالات بھی قلم بند کیے ہیں۔ دہلی میں مسلم مشاہیر کے مزار کثرت کے ساتھ ہیں۔ مولانا نے وہاں حاضری دی اور اکثر فوت شدہ بزرگوں کے حالات بھی لکھے۔ اسلامی ثقافت کے نشانوں کی ناگفتہ بہ حقیقت پر افسوس کا اظہار بھی کیا۔ بادشاہی مسجد اور دیگر مزارات کے علاوہ نظام الدین اولیاءؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے مزار بھی دیکھے' جہاں مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی زیارت کو آتے ہیں۔ اب وہاں ہندوؤں کی حکمرانی ہے اور ہندو تہذیب غالب ہے۔

مولانا شفیق احمد اس وقت بہت حیران ہوئے جب انہوں نے دیکھا کہ دہلی کی سڑک میں ایک چھکڑے کو بیل کھینچ رہا تھا' حالانکہ ہندو گائے کے پجاری ہیں' اس کے گوبر اور پیشاب کو مقدس مانتے ہیں' مگر اس کے نر کو اس طرح ذلیل کرتے ہیں — مصنف نے دہلی کی سیر اس دلکشی کے ساتھ بیان کی ہے کہ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ وہ مصنف کے ساتھ ہی دہلی میں چل پھر رہا ہے۔

بقیہ: پُرخلوص عمل کی عظمت اور تاثیر

(۳) کسی گناہ کے کام پر مکمل قدرت حاصل ہو' مگر محض خوفِ خدا کی وجہ سے اس سے باز رہنا اعلیٰ درجے کی نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل ہے۔

(۴) معاملات میں دیانت ضروری ہے۔ کسی دوسرے کا حق کسی صورت نہ دبانا چاہیے بلکہ حسن سلوک کو کبھی فراموش نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل جو ایثار اور قربانی پر مبنی ہو' بہت پسند ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے اپنی ضرورت اور خواہش کے مقابلے میں دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دینا بہت اچھا عمل ہے۔

(۵) تینوں آدمیوں نے اپنی دعاؤں میں نماز' روزے اور مراسم عبادت کا وسیلہ نہیں پکڑا بلکہ ان اعمال کے واسطے سے دعا کی جن کا تعلق معاشرت' معاملات اور اخلاقیات سے تھا' کیونکہ نماز' روزہ تو بہرحال ادا کرنے ہوتے ہیں' یہ تو اللہ کا بندہ ہونے کی نشانیاں ہیں۔ ❁❁❁

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah An-Nisa—cont....

(Ayaat 127-134, inclusive)

Translator's Note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most of the general discourse has been made by employing the 'male' as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of the opposite gender or to disrespect the status of women.

Moreover, each verse (Ayah) has been kept as a continuum in order to prevent the misrepresentation of meanings, which may occur when the verses are broken up and the translation of those verses becomes kaput when done in bits and pieces.

Cross-references taken from other parts of the Qur'an and the Hadith of the Messenger of Allah (SAW) are provided in italics.

The Translation of the Holy Qur'an done by the Message International – USA (www.FreeQuran.com) and edited by Saheeh International – UK, Dar Al Mountada – Saudi Arabia and Al Qummah – Egypt has been used in order to synchronize the use of modern English Language, which we believe will give a more accomplished sense of understanding to Today's mind.

Recap from the previous issue: verses 116 – 126:

The reader would recall that we had concluded our previous translation and elucidation of Surah An-Nisa (The Women) at verse 126. The underlying message of those 11 verses can be stated as follows:

Verses 116-126 of the Surah described one of the central themes of the Qur'an; the perils of being engaged in polytheism. The verses explained that either absolute, unreserved obedience to or blind following of anybody is tantamount to 'worshipping' him, so that whoever indulges in this kind of absolute obedience is guilty of worshipping a 'god' other than the One True Allah *(SWT)*. The verses also detailed how Satan was determined to lay his daim to a portion of men's time, to their effort and labour, to their energies and capacities, to their material belongings, and to their offspring, and would somehow trick them into devoting a sizeable portion of all these in his cause. Furthermore, several customs that were practiced by Arabs as a means to gaining the pleasure of Allah *(SWT)* before the advent of the Prophet *(SAW)* were also rebuked. The verses analysed how such deviant practices were based on the false promises made by Satan regarding the ecstatic pleasure and outstanding success they would bring in the lives of individuals and communities. In short, the verses warned that Satan extends to different groups of people different promises and expectations with a view of derailing them from the path of Allah *(SWT)*.

The verses declared that those who choose to follow Satan will end up in the Hellfire, from which there would be no escape. As a contrast, the verses also stated that those who do good deeds and live a life according to the will of Allah *(SWT)* will be 'successful' in the Hereafter and they will be awarded with gardens (paradise/heaven) and all pleasures of their liking.

The passage ended with the familiar example of Prophet Abraham *(AS)*, 'the friend of Allah', who completely and utterly submitted to Allah *(SWT)*, hence providing Muslims with the case of Prophet Abraham *(AS)* as a practical source of steadfastness of belief in the one true Lord *(SWT)*.

The final verse (126) concluded on the note that to submit unconditionally to Allah *(SWT)* was the only course of action for man and that the only right attitude for man is to give up his urge for unlimited freedom and willingly commit himself to serving and obeying his true Lord; Allah *(SWT)*. It also stated the obvious that in case man did not submit to Allah *(SWT)* as required, then his final

abode in the Hereafter will be nothing other than the Hellfire, with its ever increasing torment.

Fresh Exposition: verses 127 through 134 of Surah An-Nisa.

Verse 127

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾

"They ask you to pronounce laws concerning women, say: 'Allah pronounces to you concerning them, and reminds you of the injunctions which were recited to you in the Book about female orphans whom you do not give what has been ordained for them and whom you wish to marry (out of greed)', and the commandments relating to the children who are weak and helpless. Allah directs you to treat the orphans with justice. Allah is well aware of whatever good you do."

The actual query about women is not spelled out directly. The judgement pronounced a little later on in response to that query, however, makes it abundantly clear what the query was.

This is not a response to the query itself. Before attending to this, Allah *(SWT)* once again emphasizes that people should implement His *(SWT)* directives regarding orphans in general, and orphan girls in particular, as mentioned at the beginning of this Surah. This shows the importance of the rights of orphans in the sight of Allah *(SWT)*. The protection of their rights, as we have pointed out, had already been stressed forcefully. But that was not deemed sufficient. Hence,

when problems of family life came up for discussion, the question of the well-being of orphans automatically arose even before answering the questions people raised.

The context regarding women in this verse also alludes to verse 3 of this surah: 'And if you fear that you might not treat the orphans justly, then marry the women that seem good to you.' The words of the text may be interpreted as: 'Whom you wish to marry (out of greed)' and also as 'Whom you do not wish to marry.' In explanation

of this verse, A'ishah *(RA)* states that, in those days, guardians of orphan girls who had any significant inheritance from their parents used to perpetrate many wrongs on their wards. If the girl was both rich and good looking, the guardian desired to marry her and exploit both her attractiveness and wealth without either having to make the bridal-due (mahr) or even having to undertake her maintenance. If the girl was not so good-looking, the guardian would neither marry her nor allow her to get married, for she might thus get a husband who would support her claim to her legitimate rights. The verse culminates with another reference to the injunctions regarding the protection of the rights of orphans at the beginning of the surah.

وَ اِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا
جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ
وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾ **verse 128**

"If a woman fears either ill-treatment or aversion from her husband it is not wrong for the husband and wife to bring about reconciliation among themselves (by compromising on their rights), for settlement is better. Man's soul (Human nature) is always prone to selfishness (as a built-in attribute), but if you do good and are God-fearing, then surely Allah is aware of the things you do."

The actual response to the query begins here. In order to appreciate the response fully one would do well to consider the query itself. In the Days of Ignorance, a man was free to marry an unlimited number of women, who had virtually no rights. When the preliminary verses of the present surah were revealed (especially verse 3) this freedom was circumscribed in two ways.

First, the maximum number of wives was fixed at four. Second, justice (that is, equal treatment of wives) was laid down as a necessary condition for marrying more than one. This gives rise to the question whether a person is obligated by Islam to feel equally towards each of his wives, to love each to an equal degree, and treat them equally even in respect of marital relationship. Such questions are especially relevant with regard to a husband one of whose wives might be, say, afflicted with either sterility, permanent sickness or who is incapable of marital intimacy. Does justice demand that if he fails to live up to

the standards of equality mentioned above that he should renounce his first wife in order to marry the second? Moreover, where the first wife is disinclined to agree to annulment of the marriage, is it appropriate for the spouses to make a voluntary accord between themselves, according to which the wife, towards whom the husband feels relatively less attracted, voluntarily surrenders some of her rights, prevailing upon her husband not to repudiate the marriage? Would such an act be against the dictates of justice? It is to questions such as these that this set of verses are addressed.

The verse states that it is better for the spouses to come to a mutual understanding so that the wife may remain with the same man with whom she has already spent part of her life.

The 'selfishness' on the part of the wife is that even though she is conscious of the causes which have contributed to her husband's aversion towards her, she nevertheless expects from him the treatment that a husband accords to the wife which he adores more. The 'selfishness' of the husband, on the other hand, lies in suppressing her unduly and curtailing her rights to an intolerable extent, merely because she is keen to continue to live with him even though she has lost her attraction for him. It has to be noted here that the word 'Selfishness' is not being used as a sin. It is being used to describe a basic ingredient of human nature.

In this verse, too, Allah *(SWT)* urges the male, as He *(SWT)* usually does in such matters, to be magnanimous (basically due to the responsibility as head of the family that has been bestowed on him). Allah *(SWT)* urges a man to treat his wife, who has probably spent a considerable number of years with him as his companion, with kindness and grace in spite of the aversion that he has come to feel for her. He also urges man to love Allah *(SWT)*, for if He *(SWT)* were to deprive him of His *(SWT)* loving care and blessing in order to punish him for his shortcomings, what place would he have under the sun?

verse 129

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا
بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا
كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

"You will not be able to treat your wives with absolute justice not even when you keenly desire to do so. (It suffices in order to follow the Law of Allah that) you incline not wholly to one, leaving the other in suspense. If you act rightly and remain God-fearing, surely Allah is All-Forgiving, All-Compassionate."

This means that it is not possible for a man to accord complete equality of treatment to two or more wives under all circumstances and in all respects. It is possible that one is not so good-looking, the other beautiful; one is old, the other young; one is permanently sick, the other healthy; one is irritable, the other good-tempered. These and other differences are likely to make a person less attracted to one and more to the other. In such circumstances, the Law does not demand that one should necessarily maintain absolute equality between the wives in respect of love, emotional attachment and intimate relationship. What it does demand is that if a husband does not repudiate the marriage despite aversion for his wife, either because of his own desire or out of consideration for the desire of his wife, he should at least maintain a good relationship short of which his wife begins to feel as if she is without a husband. In such circumstances, while it is natural that a person should prefer one wife to the other, this should not go to the extent that the woman remains, as it were, in a state of suspension or as if she were without a husband at all.

Some people point out that in this verse the Qur'an in one breath stipulates justice as the necessary condition for plurality of wives and in the other breath declares it to be impossible. On this ground they conclude that the Qur'an has itself revoked the permission to marry more than one wife. There is, however, absolutely no justification for such an inference. Such an inference would have been justified had the Qur'an merely said that 'You will not be able to treat your wives with (absolute) justice.' But this statement has been followed by the directive: '... do not allow yourselves to incline wholly to one, leaving the other in suspense.' This leaves no grounds at all for the blind followers of the West to force an interpretation of their liking on the verse.

If a man does not deliberately inflict any wrong and tries earnestly to

be just in his dealings, Allah *(SWT)* will pardon whatever minor shortcomings take place.

verse 130

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

"But if the two separate, out of His plenty Allah will make each dispense with the other. Indeed, Allah is All-Bounteous, All-Wise."

Although divorce is, of all things permissible, the most hateful to Allah *(SWT)*, yet if there is a breach between husband and wife and they think that there is no other way for them to live in peace and harmony together, then they are allowed to separate by divorce.

If the spouses separate by divorce, then Allah *(SWT)* will provide each one of them from His *(SWT)* limitless bounties by giving him a better wife and her a better husband. And surely He *(SWT)* provides for His *(SWT)* servants whatever He *(SWT)* wills from His *(SWT)* own abundance and He *(SWT)* is Munificent, Wise.

Verse 131

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

"All that is in the heavens and all that is in the earth belongs to Allah. We enjoined upon those who were given the Book before you, and also yourselves, to have fear of Allah. But if you disbelieve, then bear in mind that all that is in the heavens and all that is in the earth belongs to Allah. Allah is Self-Sufficient, Most Praiseworthy."

Everything in the heavens and the earth and whatever lays in between them is under His *(SWT)* authority. Allah *(SWT)* has enjoined on the Muslims what was enjoined on the People of the Book before them, that they should have Taqwa of Allah *(SWT)*, worshipping Him *(SWT)* alone and obeying His *(SWT)* commandments and instructions revealed to His Prophet *(SAW)*. If they do not follow these instructions, they cannot do any harm to Him *(SWT)* in the very least because everything belongs to Him *(SWT)* and He *(SWT)* never stands in need of His *(SWT)* creations. He *(SWT)* is Self-sufficient and Praiseworthy.

Verse 132

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

"And to Allah belongs all that is in the heavens and all that is in the earth; and Allah suffices for help and protection."

This is an oft-repeated verse of the Qur'an and emphasizes the fact that Allah *(SWT)* is the Sovereign of the universe and everything is under His *(SWT)* authority alone. He *(SWT)* provides to anyone He *(SWT)* wills, but He *(SWT)* Himself is in need of none. Allah *(SWT)* is the All-Sufficient Guardian of believers.

verse 133

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ
قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

"If He wills, He has the full power to remove you, O mankind, and bring in others in your place."

This verse is a warning to the Muslims at large. Allah *(SWT)* says that if Muslims do not obey Him *(SWT)* and follow His *(SWT)* orders then He *(SWT)* is, surely, able to remove them from the position of leadership and as His *(SWT)* vicegerent in this world and replace them by others. Allah *(SWT)* has done this to nations before, with Bani Israel being the latest example.

Verse 134

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

"He who desires the reward of this world, let him know that with Allah is the reward of this world and also of the World to Come. Allah is All-Hearing, All-Seeing."

In the Qur'an Allah *(SWT)* often rounds off His *(SWT)* enunciation of laws by urging people to reform those aspects of family life and social order in which they are generally liable to commit injustice with admonitions designed to create in people the urge to follow those legal injunctions. Since in the preceding verses the believers were asked to treat women and orphans with justice and kindness it was deemed necessary to bring home to them the following points, which also acts as a summary of verses 130-134:

First, that people should not entertain the illusion that they have the power to make or mar the destinies of others, that if they were to withdraw their support, people would be left helpless. The fact is that the destinies of all lie in the 'Hand' of Allah *(SWT)* alone and He *(SWT)* need not remain dependent upon any single person as the sole instrument for helping any particular creature. The resources of the Lord of the heavens and the earth are limitless and He *(SWT)* also knows how to use those resources.

Second, that the followers of the Prophet *(SAW)* ought to heed the admonition that was made to them, just as it was made to the followers of the former Prophets *(AS)*: to fear Allah *(SWT)* in all their actions. They are being told in effect that by following Allah's *(SWT)* guidance they will secure their own well-being rather than be the source of any benefit to Allah *(SWT)*, that they can do Allah *(SWT)* no harm by disobeying Him *(SWT)*, just as it did not lay in the power of the followers of the former Prophets *(AS)* to cause Allah *(SWT)* any harm. The Lord of the Universe does not need people's obedience. If they disobey, He *(SWT)* may simply replace them with some other nation, and their dismissal will not diminish the majesty and splendour of His *(SWT)* realm in the least.

Third, that Allah *(SWT)* alone has the power to dispense the good of this world as well as that of the Hereafter, to lavish transient benefits as well as abiding felicity. It all depends on a man's nature and the extent of his ambition regarding the kind of benefit he seeks from Allah *(SWT)*. If a man is infatuated with the fleeting benefits of this world, and is prepared to sacrifice the benefits of the everlasting life, then Allah *(SWT)* will grant him only the good of this world and he will have no share in the good of the Hereafter. Allah's *(SWT)* benevolence is like a river which never dries up, a river which is both capable of, and geared to, providing abundant water to all who need their tillage watered. It is myopic and unambitious to want one's fields to be irrigated only once, and to be prepared thereafter to face the prospect of eternal drought. Anyone with breadth of vision would commit himself to submit to Allah *(SWT)* and obey Him *(SWT)*, thereby earning the well-being of both worlds.

The section ends with the assertion that Allah *(SWT)* is All-Seeing and All-Hearing. This means that Allah *(SWT)* is fully aware of the actions of His *(SWT)* creatures, and is unlike those negligent sovereigns who are blind in lavishing their favours. Allah *(SWT)* governs the universe with full knowledge and awareness. He *(SWT)* has an 'eye' on the capacities and ambitions of all human beings and knows their qualities, exactly. He *(SWT)* is fully aware of the purposes to which people devote their efforts and energies. Anyone who 'wilfully' decides to be disobedient to Allah *(SWT)* should therefore not cherish hopes of receiving the favours reserved for those who obey Him *(SWT)*.

And Allah *(SWT)* Knows Best!

مطالعہ قرآن حکیم، سیرتِ نبویؐ، دعوت رجوع الی القرآن، اسلامی انقلاب کا نبویؐ منہاج،
خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے خدوخال، دعوت و اقامت دین، اسلام کے معاشرتی، اخلاقی،
معاشی اور سیاسی نظام، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تنظیمی و تحریکی جدوجہد پر مشتمل

محترم ڈاکٹر صاحبؒ کی تصنیفات و تالیفات میں سے
فکر انگیز عبارات کا خوبصورت انتخاب

ملفوظات
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

مولانا شیخ رحیم الدین

- عمدہ طباعت
- امپورٹڈ بک پیپر
- دیدہ زیب ٹائٹل
- صفحات: 240
- قیمت: 200 روپے

شائع کردہ:
مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-35869501
email: maktaba@tanzeem.org website: www.tanzeem.org

Quarterly HIKMAT-E-QURAN Lahore
Jan.-Mar. 2016 Vol. 35 No. 1

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان —— اور —— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے —— اور —— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک پا ہو جائے

اور اس طرح

اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ